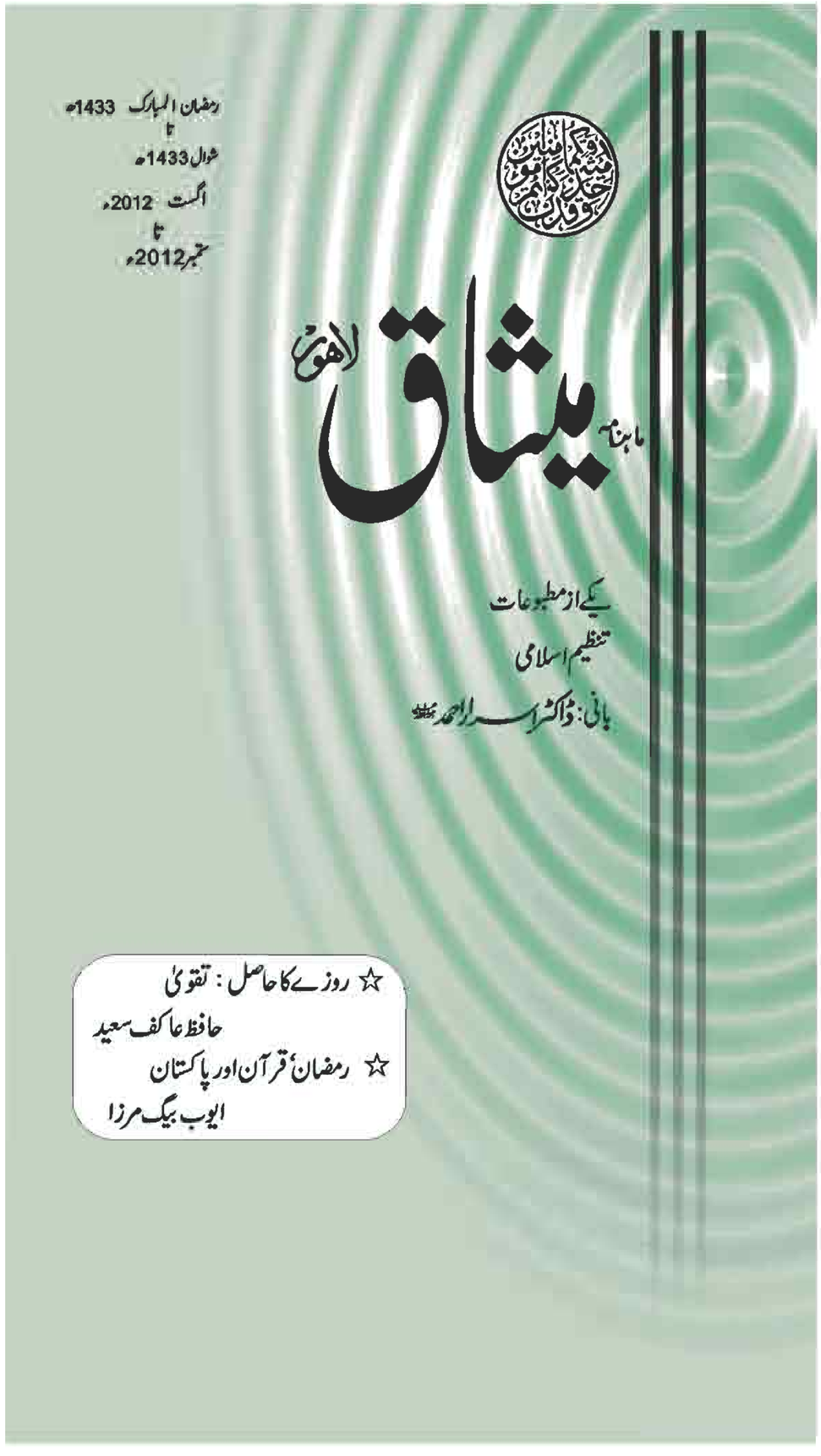

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (المائدۃ:۷)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل اور اس کے میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی!

ماہنامہ میثاق لاہور

اجرائے ثانی

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

جلد : 61

شمارہ : 8

رمضان المبارک 1433ھ
تا
شوال 1433ھ

اگست 2012ء
تا
ستمبر 2012ء

فی شمارہ -/25

اس شمارے کی قیمت 50 روپے

مدیر
حافظ عاکف سعید

نائب مدیر
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرِ تعاون

- اندرون ملک 250 روپے
- بھارت و بنگلہ دیش 900 روپے
- ایشیا، یورپ، افریقہ وغیرہ 1200 روپے
- امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ 1500 روپے

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت: 36۔کے ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700، فون: 3-35869501
فیکس: 35834000 ای میل: publications@tanzeem.org
ویب سائٹ ایڈریس: www.tanzeem.org

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67۔علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور
فون: 36366638 - 36316638 فیکس: 36313131

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

عرضِ احوال ——— 3

رمضان، قرآن اور پاکستان — ایوب بیگ مرزا

بیانُ القُرآن ——— 7

سورۃ التوبۃ (آیات ۶۱ تا ۱۲۹) — ڈاکٹر اسرار احمدؒ

منبر و محراب ——— 55

روزے کا حاصل: تقویٰ — حافظ عاکف سعید

تعمیرِ سیرت ——— 67

روزہ: منفرد شان کی جامع عبادت — عتیق الرحمٰن صدیقی

شہرِ عظیم ——— 76

روزہ اور قرآن — حافظہ منزہ رشید

حسنِ عبادت ——— 90

اعتکاف: قربِ الٰہی کا خصوصی ذریعہ — حافظ محمد زاہد

فکرِ تنظیم ——— 101

ڈاکٹر صاحبؒ کی امتیازی آراء — انجینئر نوید احمد

دعوتِ فکر ——— 121

اقتضائے خلافت اور دجّالیت — محمد رشید عمر

افکار و آراء ——— 135

اسلاموفوبیا: نیا مرض نہیں — حافظ محمد مشتاق ربانی

اللہ اور خدا — سید محمد افتخار احمد 140

قصہ آدم و ابلیس: منشورِ حیاتِ ارضی — سجاد مسعود قریشی 145

تحریکِ تجدّد و متجدّدین ——— 147

مولانا وحید الدین خان: اپنے الفاظ کے آئینے میں (۶)

ڈاکٹر حافظ محمد زبیر

❁ ❁ ❁

داعیٔ رجوع الی القرآن بانیٔ تنظیم اسلامی

محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

کے شہرۂ آفاق دورۂ ترجمہ قرآن پر مشتمل

بیانُ القُرآن

ترجمہ و مختصر تفسیر

حصہ اول سُورۃ الفاتحہ و سُورۃ البقرۃ مع تعارفِ قرآن
(چھٹا ایڈیشن) ——— صفحات: 360، قیمت 450 روپے

حصہ دوم سُورۃ آلِ عمران تا سُورۃ المائدہ
(چوتھا ایڈیشن) ——— صفحات 321، قیمت 400 روپے

حصہ سوم سُورۃ الانعام تا سُورۃ التوبہ
(دوسرا ایڈیشن) ——— صفحات 331، قیمت 400 روپے

حصہ چہارم سُورۃ یُونس تا سُورۃ الکہف
(پہلا ایڈیشن) ——— صفحات 394، قیمت 450 روپے

★ عمدہ طباعت ★ دیدہ زیب ٹائٹل اور مضبوط جلد ★ امپورٹڈ پیپر

ملنے کے پتے

انجمن خُدّام القرآن خیبر بختونخوا، پشاور
A-18 ناصر مینشن، ریلوے روڈ نمبر 2، شعبہ بازار پشاور، فون: (091)2584824, 2214495

مکتبہ خُدّام القرآن لاہور
K-36، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون (042)35869501-3

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رمضان‘ قرآن اور پاکستان

رمضان‘ قرآن اور پاکستان محض ہم قافیہ الفاظ نہیں ہیں‘ حقیقت یہ ہے کہ دنیا کے کسی دوسرے گوشے میں بسنے والے مسلمانوں کی نسبت مسلمانانِ پاکستان کا رمضان اور قرآن سے اضافی تعلق بھی ہے‘ وہ اس لیے کہ پاکستان رمضان کی اس شب میں قائم ہوا جس کے بارے میں گمانِ غالب ہے کہ وہ لیلۃ القدر ہی ہے جسے قرآن نے نزولِ قرآن کی شب ہونے کی بنا پر ہزار مہینوں سے بہتر قرار دیا۔

اگرچہ ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں مسلم لیگ یہ ثابت کر چکی تھی کہ وہ برصغیر کے مسلمانوں کی حقیقی نمائندہ جماعت ہے‘ لیکن پھر بھی ۱۹۴۷ء کے آغاز میں یقین سے نہیں کہا جا سکتا تھا کہ دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت پاکستان اسی سال دنیا کے نقشہ پر حقیقت بن کر اُبھر سکے گی۔ انگریز حاکموں اور برصغیر کی بڑی قوم ہندو کی شدید ترین مخالفت کے باوجود اس کا قائم ہو جانا ہی کچھ ناقابلِ فہم سا محسوس ہوتا ہے۔ لیکن تشکیلِ پاکستان کے تاریخی واقعات کو مرحلہ وار دیکھیں تو اس سال ستائیس رمضان المبارک کی نصف شب کے قریب قیامِ پاکستان کا اعلان خالصتاً کُن فَیکون کا مظہر محسوس ہوتا ہے۔ ۱۹۴۰ء کی قراردادِ لاہور میں پاکستان کا ذکر نہیں تھا بلکہ اس میں آزاد مسلمان ریاستوں کا ذکر ہے۔ اس پس منظر میں ایک ہزار میل سے زائد زمینی فصل رکھنے والے دو حصوں پر مشتمل ایک ریاست کا قائم ہو جانا معجزہ محسوس ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے پاکستان کو بجا طور پر مملکت خداداد کہا جاتا ہے۔ لیکن رمضان اور قرآن کے ساتھ مسلمانانِ پاکستان نے کیا سلوک کیا‘ یہ ایک دل فگار کہانی ہے۔ رمضان کو تاجروں‘ سٹاکسٹوں اور صنعت کاروں نے لوٹ کھسوٹ اور چور بازاری کا مہینہ بنا لیا۔ حکومت کا حال یہ ہے کہ گراں فروشی کے الزام میں چھوٹے چھوٹے دکانداروں اور کریانہ فروشوں کو گرفتار کر رہی ہے اور اپنی گراں فروشی کا یہ عالَم ہے کہ دنیا بھر میں تیل انتہائی سستا ہو گیا لیکن پاکستان میں تیل کے نرخ میں جو کمی کی گئی اُسے عوام سے مذاق ہی قرار دیا جا سکتا ہے۔

برصغیر کے مسلمانوں نے پاکستان بنا کر ہندو سے ہزار سالہ رفاقت ختم کی‘ اس کی دشمنی مول لی اور نتیجہ کے طور پر ہندو کے ہاتھوں لاکھوں مسلمان بے گھر ہوئے‘ بے شمار قتل ہوئے اور اَن گنت مسلم خواتین کی بے حرمتی ہوئی‘ یعنی پاکستان پر جان‘ مال اور عزت جو انسان کا کُل سرمایہ ہوتا ہے‘ سب کچھ لٹا دیا۔ ”پاکستان کا مطلب کیا: لا الٰہ الا اللہ“ اتنا پُرکشش نعرہ تھا اور نظریۂ پاکستان کی اصطلاح اتنی دلپذیر تھی کہ یہ قربانیاں حقیر محسوس ہوتی تھیں۔ نظریۂ پاکستان یعنی اسلام کے یوں تو دو بنیادی ماخذ ہیں: قرآن اور حدیث‘ لیکن یہ دو بھی اس طرح اکائی بن جاتے ہیں کہ حضور ﷺ قرآنِ مجسم اور قرآنِ ناطق بھی تو کہلاتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک حدیث کے مطابق قرآن سیرتِ رسول ﷺ اور خُلقِ رسول ﷺ ہی کا تو بیان ہے۔ یعنی قرآن دینِ متین کا اصل منبع‘ سرچشمہ اور ماخذ ہے‘ اور سنتِ رسولؐ قرآن کی تشریح و تفسیر اور دین کا ماخذ ہونے کے ساتھ قرآن کی عملی تعبیر بھی ہے۔ لہٰذا نظریۂ پاکستان کی آبیاری کے لیے پاکستان میں جو پہلا کام ہونا چاہیے تھا وہ یہ تھا کہ قرآن کی تعلیم کو عام کیا جاتا‘ قرآن کی زبان کو سیکھا اور سکھایا جاتا۔ آخر انگریزی زبان میں مہارت حاصل کی جا سکتی ہے تو قرآن کو پڑھنے اور سمجھنے کے لیے عربی کیوں نہیں سیکھی جا سکتی؟ اگرچہ قرآن کا یہ اعجاز ہے کہ اسے سمجھے بغیر بھی پڑھا جائے تو ایک لطف‘ سرور اور کیف محسوس ہوتا ہے‘ اور ایک مسلمان ثواب کا مستحق بھی ٹھیرتا ہے‘ لیکن عملی زندگی میں انفرادی اور اجتماعی سطح پر صراطِ مستقیم پر چلنے کے لیے احکاماتِ قرآنی کو اپنا امام بنانے کی ضرورت تھی۔ اس کے حکم پر آگے بڑھا جاتا اور اس کے روکے رکا جاتا۔ لیکن صد افسوس کہ عوامی اور حکومتی دونوں سطحوں پر عملی زندگی سے اسلام کو خارج کر دیا گیا۔ ہم مصنوعی روشنیوں کے ذریعے عزت و وقار کا راستہ ٹٹولنے کی کوشش کر رہے ہیں اور فطری روشنی کے مینار قرآن مجید پر ریشمی جزدانوں کے بے شمار غلاف ڈال دیئے ہیں اور غیر شعوری طور پر کوشاں ہیں کہ حق کو دبیز ریشمی پردوں میں چھپا دیا جائے۔ یعنی ایمان کے حوالہ سے خود فریبی میں مبتلا ہیں۔ نتیجتاً ہم صراطِ مستقیم سے بہت دور ہو چکے ہیں۔ اسلام کے عادلانہ نظام کو اپنانا تو دور کی بات ہے‘ ہم عام انسانی اخلاقیات سے بھی عاری ہو چکے ہیں۔ اپنے معاشرے پر نگاہ ڈالیں‘ ہماری کوئی کل سیدھی نہیں۔ ظلم‘ ناانصافی‘ کرپشن‘ خیانت‘ جھوٹ‘ بدیانتی اور منافقت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا۔ یعنی لوڈ شیڈنگ سے اگر قوم ظاہری اور باہری طور پر اندھیروں میں ڈوبی ہوئی ہے تو اِن باطنی بیماریوں سے مسلمانانِ

پاکستان کا باطن سیاہ ہو چکا ہے۔ اُن کے ضمیر پر مُردنی چھائی ہے اور ارواح مضمحل ہو چکی ہیں' جو اجتماعی بے حسی کا سبب بنی ہیں۔ مقتدر طبقات کی لوٹ مار اور دولت اور وسائل کی اس غیر منصفانہ تقسیم نے طبقاتی خلیج کو بہت وسیع کر دیا ہے۔ ایک طرف وہ لوگ ہیں جو نزلہ وزکام کے علاج کے لیے یورپ میں ہسپتال بک کرواتے ہیں اور اپنے کتوں کے لیے ایئر کنڈیشنڈ کمرے تعمیر کرواتے ہیں' دوسری طرف وہ لوگ ہیں جو بنیادی انسانی ضروریات سے محرومی کے باعث بھوک اور بیماری کے ہاتھوں موت کو گلے لگا لیتے ہیں۔

قیامِ پاکستان کے وقت کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس مملکت خداداد میں سیکس ورکرز کا اجتماع ہوگا اور دھوم دھڑلے سے ہوگا' نہ حکومت اس پر کوئی گرفت کرے گی اور نہ عوامی سطح پر کوئی احتجاج ہوگا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ابلیسی سوچ ایک قدم اور آگے بڑھ گئی اور پاکستان میں امریکی سفارت خانہ میں ہم جنس پرستوں کا اجتماع منعقد کیا گیا' جس میں مملکت خداداد اسلامی جمہوریہ پاکستان سے پچھتّر (۷۵) افراد نے شرکت کر کے اللہ کے غضب کو دعوت دی۔ اُدھر امریکہ اپنے حضور سربسجود پاکستان کی ناک اب پوری قوت سے زمین پر رگڑ رہا ہے۔ نیٹو سپلائی بحال ہو چکی ہے۔ ڈرون حملوں کی بارش جاری ہے' فاٹا اور دوسرے قبائلی علاقے اِن حملوں سے لہولہان ہیں۔ یہ دن بھی پاکستانیوں کو دیکھنا تھا کہ کٹھ پتلی افغان صدر کرزئی کی فوج پاکستانی سرحد عبور کر کے ہماری آبادیوں' مدرسوں اور مساجد کو تباہ و برباد کر رہی ہیں' ہمارے سیکیورٹی اہلکار مارے جا رہے ہیں' لیکن ہماری حکومت اور فوج صدائے احتجاج بلند کرنے پر اکتفا کرتی ہے۔

قصہ مختصر' اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ہم بندگلی میں داخل ہو چکے ہیں۔ لیکن مایوسی کفر ہے۔ ضرورت ہے واپس لوٹنے کی' قرآن کی طرف رجوع کرنے کی جو نسخۂ کیمیا ہے اور اسی میں ہمارے تمام مسائل کا حل موجود ہے' جو ہمیں ماضی سے بھی آگاہ کرتا ہے اور مستقبل کے لیے رہنمائی بھی فراہم کرتا ہے۔ رمضان کا بابرکت مہینہ ہمیں دعوتِ فکر دیتا ہے کہ ہم غور کریں کہ ہماری ذلت ورسوائی کی اصل وجہ کیا ہے! ہم یقیناً اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ ہم نے اللہ کی کتاب کو پیٹھ پیچھے پھینک دیا ہے اور اللہ کے رسول ﷺ سے ہمارا تعلق نعت گوئی تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ لہٰذا عملی لحاظ سے ہمارا معاشرہ سنتِ رسول سے لاتعلق ہو چکا ہے (الا ماشاء اللہ)۔ یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ کیا اسلامی ممالک میں سے صرف پاکستان ہی نے دین سے اعراض کیا

ہے اور اسے پس پشت ڈالا ہے اور اس کے نتیجہ میں یہ اس حال کو پہنچا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ پاکستان واحد اسلامی ملک ہے جس کے قیام کا جواز اسلام بتایا گیا تھا۔ کسی اور ملک نے اپنے نام کا مطلب ''لا الہ الا اللہ'' نہیں بتایا تھا۔ علاوہ ازیں اگر دوسرے اسلامی ممالک نے بھی قرآن کو ترک کیا ہے تو کون سی دنیا میں عزت کمائی ہے؟ آج پوری دنیا میں ایک اسلامی ملک بھی ایسا نہیں ہے جو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کا دعویٰ کر سکے اور وقت کی سپر پاور سے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر سکے۔ امریکہ دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام پر مسلمانوں کی بستیاں اجاڑ رہا ہے اور مسلمانوں کو کیڑے مکوڑوں کی طرح کچل رہا ہے۔ اس کا ہاتھ صرف اور صرف ایک اسلامی فلاحی ریاست روک سکتی ہے۔ ہر کلمہ گو کا اوّلین دینی فریضہ ہے کہ مذکورہ اسلامی ریاست کے قیام کے لیے تن من دھن لگا دے۔ یہی حالات کا تقاضا ہے' یہی کرنے کا اصل کام ہے' یہی جہاد ہے۔ پندرہ سو سال قبل مدینہ کی چھوٹی سی بستی میں قائم ہونے والی پہلی اسلامی ریاست قلیل مدت میں یورپ' ایشیا اور شمالی افریقہ تک پھیل گئی تو اُس کی وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں نے قرآن کو اپنا امام بنا کر انفرادی اور اجتماعی زندگی کی راہیں متعیّن کی تھیں اور آج اگر اسلام کے نام پر بننے والی دوسری ریاست پاکستان ناکامیوں اور محرومیوں سے دوچار ہے تو اُس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے قرآن سے حقیقی اور عملی تعلق منقطع کر لیا ہے۔ ہم اگر رمضان کی برکات سے بہرہ ور ہونا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں قرآن کو اوڑھنا بچھونا بنانا ہوگا۔ اے کاش! رمضان میں جنم لینے والا پاکستان قرآن کی عملی تعبیر نظر آئے۔ اے کاش! رمضان کے روزے ہمیں ایسی روحانی توانائی بخش دیں کہ ہم اُس نظامِ باطل کا سر کچل سکیں جس نے دنیا میں ہمیں ذلت ورسوائی کے سوا کچھ نہیں دیا اور ہماری اُخروی فلاح بھی مشکوک بنا دی ہے۔

❁❁❁

اطلاع برائے قارئین

قارئین کرام نوٹ فرمالیں کہ میثاق کے زیرِنظر شمارہ کی حیثیت اگست اور ستمبر 2012ء کی مشترکہ اشاعت کی ہے۔ اس اعتبار سے اس کی ضخامت میں بھی خاطر خواہ اضافہ کر دیا گیا ہے۔

دورۂ ترجمۂ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

سُورۃُ التَّوبۃ

آیات ۶۱ تا ۶۶

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ۭ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ
بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۭ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ
رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ
اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ
فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ۝ يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ
تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ
مَّا تَحْذَرُوْنَ ۝ وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ۭ قُلْ اَبِاللّٰهِ
وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ۭ اِنْ
نَّعْفُ عَنْ طَاۗىِٕفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَاۗىِٕفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ۝

آیت ۶۱ ﴿وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ۭ﴾ ’’اور ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو نبی (ﷺ) کو ایذا پہنچاتے ہیں اور کہتے ہیں یہ تو نرے کان ہیں۔‘‘

یہ تو نرے کان ہی کان ہیں۔ مراد یہ ہے کہ ہر ایک کی بات سن لیتے ہیں اور ہم جو بھی جھوٹا سچا بہانہ بناتے ہیں اسے مان لیتے ہیں‘ گویا بالکل ہی بے بصیرت ہیں (معاذ اللہ!) وہ ایسی باتیں کر کے رسول اللہ ﷺ کی توہین کرتے تھے اور آپؐ کو اذیت پہنچاتے تھے۔

﴿قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ’’آپؐ کہیے کہ یہ کان

تمہاری بہتری کے لیے ہیں‘ وہ یقین رکھتے ہیں اللہ پر اور بات مان لیتے ہیں اہلِ ایمان کی۔‘‘

یہاں پر ’’یُؤْمِنُ‘‘ کے ساتھ ’’ب‘‘ اور ’’ل‘‘ کے استعمال سے معنی کا واضح فرق ملاحظہ ہو۔ آمَنَ‘ یُؤْمِنُ ’ب‘ کے ساتھ ایمان لانے اور ’ل‘ کے ساتھ بات ماننے اور یقین کر لینے کے معنی میں آتا ہے۔ یعنی ہمارے رسول ﷺ جانتے ہیں کہ تم جھوٹ بول رہے ہو مگر یہ آپ ﷺ کی شرافت‘ نجابت اور مروت ہے کہ تمہاری جھوٹی باتیں سن کر بھی تمہیں یہ نہیں کہتے کہ تم جھوٹ بول رہے ہو‘ اور سب کچھ جانتے ہوئے بھی تمہارا پول نہیں کھولتے۔ یہ تمہاری حماقت کی انتہا ہے کہ تم اپنے زعم میں رسول اللہ ﷺ کو دھوکہ دے رہے ہو۔ تم لوگوں کو اللہ کے رسول ﷺ کی بصیرت کا کچھ بھی اندازہ نہیں ہے۔ آپ ﷺ تو اللہ کے رسولؐ ہیں‘ جبکہ ایک بندۂ مؤمن کی بصیرت کی بھی کیفیت یہ ہے کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے‘ از روئے حدیث نبویؐ: ((اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ))(۱)

﴿وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۭ﴾ ’’اور جو تم میں سے واقعی مؤمن ہیں ان کے حق میں رحمت ہیں۔‘‘

﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۶۱﴾ ’’اور جو ایذا پہنچاتے ہیں اللہ کے رسول (ﷺ) کو ان کے لیے بڑا دردناک عذاب ہے۔‘‘

آیت ۶۲ ﴿يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ﴾ ’’(اے مسلمانو!) یہ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تمہیں راضی کریں۔‘‘

اس مہم کی تیاری کے دوران منافقین کا طریقہ کار یہ تھا کہ وہ جھوٹے بہانے بنا کر رسول اللہ ﷺ سے رخصت لے لیتے‘ اور پھر قسمیں کھا کھا کر مسلمانوں کو بھی یقین دلانے کی کوشش کرتے کہ ہم آپ کے مخلص ساتھی ہیں‘ آپ لوگ ہم پر شک نہ کریں۔

﴿وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝۶۲﴾ ’’اللہ اور اس کا رسولؐ اس بات کے زیادہ حق دار ہیں کہ وہ انہیں راضی کریں اگر وہ واقعتاً مؤمن ہیں۔‘‘

آیت ۶۳ ﴿اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ۝۶۳﴾ ’’کیا وہ جانتے نہیں کہ جو کوئی بھی اللہ اور اس کے رسولؐ کا

(۱) سنن الترمذی‘ کتاب تفسیر القرآن‘ باب ومن سورۃ الحجر۔

مقابلہ کرے گا تو اُس کے لیے جہنم کی آگ ہے‘ جس میں وہ ہمیشہ ہمیش رہے گا۔ یہ بہت بڑی رسوائی ہے۔‘‘

آیت ۶۴ ﴿یَحۡذَرُ الۡمُنٰفِقُوۡنَ اَنۡ تُنَزَّلَ عَلَیۡہِمۡ سُوۡرَۃٌ تُنَبِّئُہُمۡ بِمَا فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ ؕ﴾ ’’یہ منافق ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں مسلمانوں پر کوئی ایسی سورت نازل نہ ہو جائے جو ان کو ہمارے دلوں کی حالت بتا دے۔‘‘

ان کے دلوں میں چونکہ چور ہے اس لیے انہیں ہر وقت یہ دھڑکا لگا رہتا ہے کہ کہیں وحی کے ذریعے ان کے جھوٹ کا پردہ چاک نہ کر دیا جائے۔

﴿قُلِ اسۡتَہۡزِءُوۡا ۚ اِنَّ اللّٰہَ مُخۡرِجٌ مَّا تَحۡذَرُوۡنَ ﴿۶۴﴾﴾ ’’آپؐ کہیے کہ ابھی تم استہزاء کرتے رہو‘ یقیناً (ایک وقت آئے گا کہ) اللہ ظاہر کر کے رہے گا جس سے تم ڈر رہے ہو۔‘‘

آیت ۶۵ ﴿وَلَئِنۡ سَاَلۡتَہُمۡ لَیَقُوۡلُنَّ اِنَّمَا کُنَّا نَخُوۡضُ وَنَلۡعَبُ ؕ﴾ ’’اور اگر آپؐ ان سے پوچھیں گے تو کہیں گے کہ ہم تو یونہی بات چیت اور دل لگی کر رہے تھے۔‘‘

رسول اللہ ﷺ سے فرمایا جا رہا ہے کہ یہ منافقین جو آئے دن آپؐ اور مسلمانوں کے خلاف ہرزہ سرائی کرتے رہتے ہیں‘ اگر آپؐ اس کے بارے میں اِن سے باز پرس کریں تو فوراً کہیں گے کہ ہماری گفتگو سنجیدہ نوعیت کی نہیں تھی‘ ہم تو ویسے ہی ہنسی مذاق اور دل لگی کر رہے تھے۔

﴿قُلۡ اَبِاللّٰہِ وَاٰیٰتِہٖ وَرَسُوۡلِہٖ کُنۡتُمۡ تَسۡتَہۡزِءُوۡنَ ﴿۶۵﴾﴾ ’’آپؐ کہیے کیا تم اللہ‘ اُس کی آیات اور اُس کے رسولؐ کے ساتھ استہزاء کر رہے تھے؟‘‘

تو کیا اب ع ’’بازی بازی باریش بابا ہم بازی!‘‘ کے مصداق اللہ‘ اس کی آیات اور اس کا رسول ﷺ بھی تمہارے استہزاء اور تمسخر کا تختۂ مشق بنیں گے؟

آیت ۶۶ ﴿لَا تَعۡتَذِرُوۡا قَدۡ کَفَرۡتُمۡ بَعۡدَ اِیۡمَانِکُمۡ ؕ﴾ ’’اب بہانے مت بناؤ‘ تم کفر کر چکے ہو اپنے ایمان کے بعد۔‘‘

﴿اِنۡ نَّعۡفُ عَنۡ طَآئِفَۃٍ مِّنۡکُمۡ نُعَذِّبۡ طَآئِفَۃًۢ بِاَنَّہُمۡ کَانُوۡا مُجۡرِمِیۡنَ ﴿۶۶﴾﴾ ’’اگر ہم تمہاری ایک جماعت سے درگزر بھی کر لیں گے تو کسی دوسری جماعت کو عذاب بھی دیں گے‘ اس لیے کہ وہ مجرم ہیں۔‘‘

یعنی اب وہ وقت آ رہا ہے کہ تمہیں تمہارے ان کرتوتوں کے سبب سزائیں بھی ملیں گی۔

آیات ۶۷ تا ۷۲

اَلۡمُنٰفِقُوۡنَ وَالۡمُنٰفِقٰتُ بَعۡضُہُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ ۘ یَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمُنۡکَرِ وَیَنۡہَوۡنَ عَنِ الۡمَعۡرُوۡفِ وَیَقۡبِضُوۡنَ اَیۡدِیَہُمۡ ؕ نَسُوا اللّٰہَ فَنَسِیَہُمۡ ؕ اِنَّ الۡمُنٰفِقِیۡنَ ہُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ﴿۶۷﴾ وَعَدَ اللّٰہُ الۡمُنٰفِقِیۡنَ وَالۡمُنٰفِقٰتِ وَالۡکُفَّارَ نَارَ جَہَنَّمَ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا ؕ ہِیَ حَسۡبُہُمۡ ۚ وَلَعَنَہُمُ اللّٰہُ ۚ وَلَہُمۡ عَذَابٌ مُّقِیۡمٌ ﴿۶۸﴾ کَالَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ کَانُوۡۤا اَشَدَّ مِنۡکُمۡ قُوَّۃً وَّاَکۡثَرَ اَمۡوَالًا وَّاَوۡلَادًا ؕ فَاسۡتَمۡتَعُوۡا بِخَلَاقِہِمۡ فَاسۡتَمۡتَعۡتُمۡ بِخَلَاقِکُمۡ کَمَا اسۡتَمۡتَعَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ بِخَلَاقِہِمۡ وَخُضۡتُمۡ کَالَّذِیۡ خَاضُوۡا ؕ اُولٰٓئِکَ حَبِطَتۡ اَعۡمَالُہُمۡ فِی الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَۃِ ۚ وَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ﴿۶۹﴾ اَلَمۡ یَاۡتِہِمۡ نَبَاُ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ قَوۡمِ نُوۡحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوۡدَ ۙ وَقَوۡمِ اِبۡرٰہِیۡمَ وَاَصۡحٰبِ مَدۡیَنَ وَالۡمُؤۡتَفِکٰتِ ؕ اَتَتۡہُمۡ رُسُلُہُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ ۚ فَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیَظۡلِمَہُمۡ وَلٰکِنۡ کَانُوۡۤا اَنۡفُسَہُمۡ یَظۡلِمُوۡنَ ﴿۷۰﴾ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتُ بَعۡضُہُمۡ اَوۡلِیَآءُ بَعۡضٍ ۘ یَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَیَنۡہَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ وَیُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤۡتُوۡنَ الزَّکٰوۃَ وَیُطِیۡعُوۡنَ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ ؕ اُولٰٓئِکَ سَیَرۡحَمُہُمُ اللّٰہُ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَزِیۡزٌ حَکِیۡمٌ ﴿۷۱﴾ وَعَدَ اللّٰہُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا وَمَسٰکِنَ طَیِّبَۃً فِیۡ جَنّٰتِ عَدۡنٍ ؕ وَرِضۡوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ اَکۡبَرُ ؕ ذٰلِکَ ہُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ ﴿۷۲﴾

آیت ۶۷ ﴿اَلۡمُنٰفِقُوۡنَ وَالۡمُنٰفِقٰتُ بَعۡضُہُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ ۘ﴾ ’’منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک دوسرے میں سے ہیں۔‘‘

ان سب منافقین کا آپس میں گٹھ جوڑ ہے‘ اندر سے یہ سب ایک ہیں۔

﴿یَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمُنۡکَرِ وَیَنۡہَوۡنَ عَنِ الۡمَعۡرُوۡفِ﴾ ’’یہ بدی کا حکم دیتے ہیں اور نیکی

سے روکتے ہیں‘‘

یعنی اللہ کے احکام کے خلاف یہ لوگ ’’امر بالمنکر اور نہی عن المعروف‘‘ کی پالیسی پر عمل کر رہے ہیں۔ دوسروں سے ہمدردی جتا کر انہیں نیکی سے روکنے کی کوشش کرتے ہیں کہ دیکھو اپنے خون پسینے کی کمائی کو اِدھر اُدھر مت ضائع کرو‘ بلکہ اسے اپنے اور اپنے بچوں کے مستقبل کے لیے سنبھال کر رکھو۔

﴿وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ؕ﴾ ’’اور اپنے ہاتھوں کو بند رکھتے ہیں۔‘‘

یعنی اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے۔

﴿نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ؕ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۶۷﴾﴾ ’’انہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے (بھی) انہیں نظر انداز کر دیا۔ یقیناً یہ منافق ہی نافرمان ہیں۔‘‘

آیت ۶۸ ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ﴾ ’’اللہ نے وعدہ کیا ہے ان منافق مَردوں‘ منافق عورتوں اور تمام کفار سے جہنم کی آگ کا‘ جس میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔‘‘

﴿هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۶۸﴾﴾ ’’بس وہی ان کے لیے کفایت کرے گی۔ اور اللہ نے ان پر لعنت فرما دی ہے اور ان کے لیے عذاب ہے قائم رہنے والا۔‘‘

ایسا عذاب جو ان کو مسلسل دیا جائے گا اور اس کی شدت کبھی کم نہ ہوگی۔

آیت ۶۹ ﴿كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ ’’(تم منافق لوگ) ان لوگوں کی مانند ہو جو تم سے پہلے تھے‘‘

﴿كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ؕ﴾ ’’وہ تم سے کہیں بڑھ کر تھے طاقت میں اور کہیں زیادہ تھے مال اور اولاد میں۔‘‘

تم سے پہلے جو کافر قومیں گزری ہیں‘ مثلاً قومِ عاد‘ قومِ ثمود وغیرہ وہ طاقت‘ مال و دولت اور تعداد کے لحاظ سے تم سے بہت بڑھ کر تھیں۔

﴿فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ﴾ ’’تو انہوں نے اپنے حصے سے فائدہ اٹھا لیا اور اب تم نے بھی اپنے حصے سے فائدہ اٹھا لیا ہے‘‘

یعنی تمہاری مدتِ مہلت ختم ہونے کو ہے‘ اب تم لوگ بہت جلد اپنے انجام کو پہنچنے والے ہو۔

﴿كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ﴾ ’’جیسے کہ ان لوگوں نے اپنے حصے کا فائدہ اٹھایا تھا جو تم سے پہلے تھے‘‘

﴿وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ؕ﴾ ’’اور ویسی ہی بحثوں میں تم بھی پڑے جیسی بحثوں میں وہ پڑے تھے۔‘‘

تم نے بھی اسی طرح کی روش اختیار کی جیسی انہوں نے اختیار کی تھی۔

﴿اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۹﴾﴾ ’’یہ وہ لوگ ہیں جن کے تمام اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو گئے۔ اور یہی لوگ ہیں خسارے میں رہنے والے۔‘‘

آیت ۷۰ ﴿اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۙ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ﴾ ’’کیا ان کے پاس ان لوگوں کی خبریں نہیں آ چکی ہیں جو ان سے پہلے تھے؟ قومِ نوحؑ‘ عادؑ‘ ثمود اور قومِ ابراہیمؑ‘‘

یہ قرآن مجید کا واحد مقام ہے جہاں قومِ ابراہیمؑ کا تذکرہ اس انداز میں آیا ہے کہ شاید آپؐ کی قوم پر بھی عذاب آیا ہو‘ لیکن واضح طور پر ایسے کسی عذاب کا ذکر پورے قرآن میں کہیں نہیں ہے۔

﴿وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ؕ﴾ ’’اور مدین کے لوگوں اور ان بستیوں کی (خبریں) جو اُلٹ دی گئیں۔‘‘

﴿اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۷۰﴾﴾ ’’ان کے پاس آئے اُن کے رسول واضح نشانیاں (یا احکام) لے کر۔ پس اللہ ان پر ظلم کرنے والا نہیں تھا‘ بلکہ وہ اپنے اوپر خود ہی ظلم ڈھاتے رہے۔‘‘

آیت ۷۱ ﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ﴾ ’’اور ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں‘ یہ سب ایک دوسرے کے ساتھی ہیں۔‘‘

﴿يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ﴾ ’’وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں‘ بدی سے روکتے ہیں‘ نماز

قائم کرتے ہیں‘ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔‘‘
﴿اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۷۱﴾ ’’یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ رحمت فرمائے گا۔ یقیناً اللہ زبردست‘ حکمت والا ہے۔‘‘

آیت ۷۲ ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ﴾ ’’اللہ نے وعدہ کیا ہے مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں سے ان باغات کا جن کے نیچے ندیاں بہتی ہوں گی‘ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے‘ اور بہت عمدہ مکانات (کا وعدہ) ہمیشہ رہنے والے باغات میں۔‘‘
﴿وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۷۲﴾ ’’اور اللہ کی رضا تو سب سے بڑی نعمت ہے۔ یہی تو ہے بہت بڑی کامیابی۔‘‘

جنت کی ساری نعمتیں اپنی جگہ‘ مگر اہل جنت کے لیے سب سے بڑی نعمت یہ ہوگی کہ اللہ اُن سے راضی ہو جائے گا۔

آیات ۷۳ تا ۸۰

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ۭ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝ وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَىِٕنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝ اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ

اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ۙ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝

آیت ۷۳ ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۭ﴾ ’’اے نبیؐ! جہاد کیجیے کفار اور منافقین سے‘ اور ان پر سختی کیجیے۔‘‘

یہ آیت بالکل انہی الفاظ کے ساتھ سورۃ التحریم میں بھی آئی ہے جو اٹھائیسویں پارے کی آخری سورت ہے۔ یہاں قابل غور نکتہ یہ ہے کہ اس آیت میں جہاد بمعنی قتال استعمال نہیں ہوا۔ منافقین کے ساتھ آپؐ نے کبھی جنگ نہیں کی۔ لہٰذا یہاں جہاد سے مراد قتال سے نچلے درجے کی جدّوجُہد (دُوْنَ الْقِتَالِ) ہے کہ اے نبی ﷺ! آپ منافقین کی ریشہ دوانیوں کا توڑ کرنے کے لیے جہاد کریں‘ ان کی سازشوں کو ناکام بنانے کے لیے جدّوجُہد کریں۔ چنانچہ بعض روایات میں آتا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ غزوۂ تبوک سے واپس آ رہے تھے تو اسی حوالے سے آپ ﷺ نے فرمایا تھا: ((رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ))(۱) یعنی ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹ آئے ہیں۔ اب اس کی تعبیریں مختلف کی گئی ہیں کہ اس زمانے کی سپر پاور سلطنتِ روما کے خلاف جہاد کو آپ ﷺ نے ’’جہادِ اصغر‘‘ فرمایا اور پھر فرمایا کہ اب ’’جہادِ اکبر‘‘ تمہارے سامنے ہے۔ عام طور پر اس حدیث کی توجیہہ اس طرح کی گئی ہے کہ نفس کے خلاف جہاد سب سے بڑا جہاد ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایک دفعہ جب آپ ﷺ سے پوچھا گیا: اَیُّ الْجِهَادِ اَفْضَلُ؟ یعنی سب سے افضل جہاد کون سا ہے؟ تو جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا: ((اَنْ تُجَاهِدَ نَفْسَكَ وَهَوَاكَ فِيْ ذَاتِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ))(۲) ’’یہ کہ تم جہاد کرو اپنے نفس اور اپنی خواہشات کے خلاف اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں‘‘۔ لہٰذا اسی حدیث کی بنیاد پر جہادِ اکبر والی مذکورہ حدیث کی تشریح اس طرح کی گئی ہے کہ جہاد بالنفس دشمن کے خلاف قتال سے بھی بڑا جہاد ہے۔ لیکن میرے نزدیک اس حدیث کا اصل مفہوم سمجھنے کے لیے اس کے موقع محل اور پس منظر کے

(۱) تخریج الکشاف للزیلعی ۳۹۵/۲۔ (غریب جدا)
(۲) حلیۃ الاولیاء لابی نعیم ۲۸۲/۲۔

حالات کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ مدینہ کے اندر منافقین دراصل مسلمانوں کے حق میں مارِ آستین تھے۔ اب ان کے خلاف رسول اللہ ﷺ کو جہاد کا حکم دیا جا رہا ہے' مگر یہ معاملہ اتنا آسان اور سادہ نہیں تھا۔ ان منافقین کے اوس اور خزرج کے لوگوں کے ساتھ تعلقات تھے اور اُن کے خلاف اقدام کرنے سے اندرونی طور پر کئی طرح کے مسائل جنم لے سکتے تھے۔ مگر اس آیت کے نزول کے بعد تبوک سے واپس آ کر آپ ﷺ نے منافقین کے خلاف اس طرح کے کئی سخت اقدامات کیے تھے۔ جیسے آپ ﷺ نے مسجد ضرار کو گرانے اور جلانے کا حکم دیا' اور پھر اس پر عمل بھی کرایا۔ یہ بہت بڑا اقدام تھا۔ منافقین مسجد کے تقدس کے نام پر لوگوں کو مشتعل بھی کر سکتے تھے۔ دراصل یہی وہ بڑا جہاد تھا جس کی طرف مذکورہ حدیث میں اشارہ ملتا ہے' کیونکہ ان حالات میں اپنی صفوں کے اندر چھپے ہوئے دشمنوں کے وار سے بچنا اور ان کے خلاف نبرد آزما ہونا مسلمانوں کے لیے واقعی بہت مشکل مرحلہ تھا۔

﴿وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۷۳﴾ ''اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے' اور وہ بہت بری جگہ ہے۔''

آیت ۷۴ ﴿يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ۭ﴾ ''وہ اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ انہوں نے یہ بات نہیں کی۔''

یہ جس بات کا ذکر ہے اس کی تفصیل اٹھائیسویں پارے کی سورۃ المنافقون میں آئے گی۔ بہر حال یہاں صرف اتنا جان لینا ضروری ہے کہ تبوک سے واپسی کے سفر پر عبداللہ بن اُبی کے منہ سے کسی نوجوان مسلمان نے غلط بات سنی تو اس نے آ کر رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کر دیا۔ آپ ﷺ نے طلب فرما کر باز پرس کی تو وہ صاف مکر گیا کہ اس نوجوان نے خواہ مخواہ فتنہ اٹھانے کی کوشش کی ہے۔

﴿وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ﴾ ''حالانکہ انہوں نے کہا ہے کفر کا کلمہ''

عبداللہ بن ابی کے مکر جانے پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس نوجوان کو سچا قرار دیا اور اس منافق کے جھوٹ کا پردہ چاک کر دیا۔

﴿وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ﴾ ''اور وہ کفر کر چکے اپنے اسلام کے بعد' اور انہوں نے ارادہ کیا تھا اس شے کا جو وہ حاصل نہ کر سکے۔''

یہ جس واقعے کی طرف اشارہ ہے وہ بھی غزوۂ تبوک سے واپسی کے سفر میں پیش آیا تھا۔

پہاڑی راستہ میں ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ کا گزر ایک ایسی تنگ گھاٹی سے ہوا جہاں سے ایک وقت میں صرف ایک اونٹ گزر سکتا تھا۔ اس موقع پر آپ ﷺ قافلے سے علیحدہ تھے اور آپ ﷺ کے ساتھ صرف دو صحابہ حضرت حذیفہؓ بن یمان اور عمارؓ بن یاسر تھے۔ اس تنگ جگہ پر کچھ منافقین نے رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ ﷺ پر حملہ کر دیا۔ انہوں نے پہچانے جانے کے ڈر سے ڈھاٹے باندھ رکھے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ حضور ﷺ کو (نعوذ باللہ) شہید کر دیں۔ بہر حال آپ ﷺ کے جاں نثار صحابہؓ نے حملہ آوروں کو مار بھگایا اور وہ اپنے ناپاک منصوبے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے اپنے ان دو صحابہؓ کو حملہ آوروں میں سے ہر ایک کے نام بتا دیے اور ان کے علاوہ بھی تمام منافقین کے نام بتا دیے۔ مگر ساتھ ہی آپ ﷺ نے ان دونوں حضرات کو تاکید فرما دی کہ وہ یہ نام کسی کو نہ بتائیں اور آپ ﷺ کے اس راز کو اپنے پاس ہی محفوظ رکھیں۔ اسی وجہ سے حذیفہؓ بن یمان صحابہؓ میں ''صاحبُ سِرِّ النَّبِی ﷺ'' (نبی ﷺ کے رازدان) کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے۔

﴿وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ﴾ ''اور یہ لوگ اپنے عناد کا مظاہرہ نہیں کر رہے مگر اسی لیے کہ اللہ اور اُس کے رسول نے انہیں غنی کر دیا ہے اپنے فضل سے۔''

یعنی اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کے رسول ﷺ کی مہربانی سے یہ لوگ مالِ غنیمت اور زکوٰۃ وصدقات میں سے بافراغت حصہ پاتے رہے۔

﴿فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ﴾ ''اب بھی اگر یہ توبہ کر لیں تو ان کے لیے بہتر ہے۔''

﴿وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ﴾ ''اور اگر وہ پیٹھ موڑیں گے تو اللہ انہیں بہت دردناک عذاب دے گا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔''

﴿وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝۷۴﴾ ''اور پوری زمین میں ان کا نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی مددگار۔''

اب وہ تین آیات آ رہی ہیں جن کا حوالہ میری تقاریر میں اکثر آتا رہتا ہے۔ ان میں مدینہ کے منافقین کی ایک خاص قسم کا تذکرہ ہے' مگر مسلمانانِ پاکستان کے لیے ان آیات کا مطالعہ بطورِ خاص مقامِ عبرت بھی ہے اور لمحۂ فکریہ بھی۔

آیت ۷۵ ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾﴾ ''اوران میں وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر وہ ہمیں اپنے فضل سے نواز دے گا تو ہم خوب صدقہ وخیرات کریں گے اور نیک بن جائیں گے۔''

آیت ۷۶ ﴿فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۶﴾﴾ ''پھر جب اللہ نے انہیں نواز دیا اپنے فضل سے (غنی کر دیا) تو انہوں نے اس دولت کے ساتھ بخل کیا اور پیٹھ موڑ لی اور اعراض کیا۔''

آیت ۷۷ ﴿فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ﴾ ''تو اللہ نے سزا کے طور پر ڈال دیا ان کے دلوں میں نفاق''

اللہ سے وعدہ کر کے اس سے پھر جانے کی دنیا میں یہ نقد سزا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے دلوں میں نفاق پیدا فرما دیتے ہیں' اور بدقسمتی سے یہی روگ آج مسلمانانِ پاکستان کے دلوں میں پیدا ہو چکا ہے۔ گویا پاکستانی قوم بحیثیت مجموعی اس سزا کی مستحق ہو چکی ہے۔ مسلمانانِ برصغیر نے تحریک پاکستان کے دوران اللہ سے ایک وعدہ کیا تھا اور یہ وعدہ ایک نعرہ بن کر بچے بچے کی زبان پر آ گیا تھا: ''پاکستان کا مطلب کیا؟ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه!'' گویا دنیا کے نقشے پر یہ نیا ملک اسلام کے نام پر بنا' اسلام کے لیے بنا۔ اس ضمن میں ہندوستان کے مسلمانوں نے تو ووٹ دے کر اپنا فرض کفایہ ادا کر دیا کہ تم جا کر پاکستان میں اسلام کا نظام قائم کرو' ہم پر جو گزرے گی سو گزرے گی۔ مگر مسلمانانِ پاکستان نے اس سلسلے میں اب تک کیا کیا ہے؟ کہاں ہے اسلام اور کہاں ہے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه؟ یہ پاکستانی قوم کی اللہ کے ساتھ اجتماعی بے وفائی اور بدعہدی کی مثال ہے۔ اس بدعہدی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے تین قسم کے نفاق اس قوم پر مسلط کر دیے۔ ایک باہمی نفاق' جس کے باعث یہ قوم اب قوم نہیں رہی فرقوں میں بٹ چکی ہے اور اس میں مختلف عصبیتیں پیدا ہو چکی ہیں۔ صوبائیت' مذہبی فرقہ واریت وغیرہ نے باہمی اتحاد پارہ پارہ کر دیا ہے۔ دوسرے جب یہ نفاق ہمارے دلوں کا روگ بنا تو اس سے شخصی کردار اور پھر قومی کردار کا بیڑا غرق ہو گیا۔ اس کے بارے میں ایک متفق علیہ حدیث ملاحظہ کیجیے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ [وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ : وَاِنْ صَامَ وَصَلّٰى وَزَعَمَ اَنَّهٗ

مُسْلِمٌ] اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ' وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ ' وَاِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ))

''منافق کی تین نشانیاں ہیں [اور مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: ''اگرچہ روزہ رکھتا ہو' نماز پڑھتا ہو اور اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہو۔''](i) جب بولے جھوٹ بولے (ii) جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے (iii) جب امین بنایا جائے تو خیانت کرے۔''

اس حدیث کو کسوٹی سمجھ کر اپنی قوم کے کردار کو پرکھ لیجیے۔ جو جتنا بڑا ہے اتنا ہی بڑا جھوٹا ہے' اتنا ہی بڑا وعدہ خلاف ہے اور اتنا ہی بڑا خائن ہے (الا ماشاء اللہ!)

تیسرا نفاق جو اس قوم کے حصے میں آیا وہ بہت ہی بڑا ہے اور وہ ہے آئین کا نفاق۔ آپ جانتے ہیں کہ کسی ملک کی اہم ترین دستاویز اس کا دستور ہوتا ہے' جبکہ اس ملک کے آئین کو بھی منافقت کا پلندہ بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔ ہمارے آئین میں ایک ہاتھ سے اسلام داخل کیا جاتا ہے اور دوسرے ہاتھ سے نکال لیا جاتا ہے۔ الفاظ دیکھو تو اسلام ہی اسلام ہے' تعمیل دیکھو تو اسلام کہیں نظر نہیں آتا۔ ذرا ان الفاظ کو دیکھیں' آئین میں کتنی بڑی بات لکھ دی گئی ہے:

No legislation will be done repugnant to the Quran and the Sunnah.

یعنی قرآن وسنت کے خلاف کوئی قانون سازی نہیں ہو سکتی۔ ان الفاظ پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ الحجرات کی پہلی آیت کا ترجمہ کر کے دستور میں لکھ دیا گیا ہے' لیکن ملک اور معاشرے کے اندر اس کے عملی پہلو پر نظر ڈالیں تو قرآن وسنت کے احکام پر عمل ہوتا کہیں بھی نظر نہیں آتا۔ گویا یہ الفاظ صرف آئینی اور قانونی تقاضا پورا کرنے کے لیے لکھ دیے گئے ہیں' ان پر عمل کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ بس ایک اسلامی نظریاتی کونسل بنا دی گئی ہے جو اپنی سفارشات پیش کرتی رہتی ہے۔ یہ سفارشات سالانہ رپورٹس کے طور پر باقاعدگی سے پیش ہوتی رہتی ہیں' مگر ان کی کوئی تعمیل نہیں ہوتی۔ اسی طرح فیڈرل شریعت کورٹ بھی دکھاوے کا ایک ادارہ ہے۔ بڑے بڑے علماء اس کے تحت بڑی بڑی تنخواہیں اور مراعات لے رہے ہیں' مگر عملی پہلو دیکھو تو دستورِ پاکستان اُن کے دائرۂ عمل سے ہی خارج ہے۔ اسی طرح عدالتی قوانین' عائلی قوانین' مالی قوانین وغیرہ سب فیڈرل شریعت کورٹ کے دائرۂ اختیار سے باہر ہیں۔ غرض دستور کی سطح پر اتنی بڑی منافقت شاید پوری دنیا میں کہیں نہ ہو۔ بہرحال یہ ہے ایک ہلکی سی جھلک پاکستانی قوم کی اُس سزا کی جو انہیں وعدہ خلافی کے جرم کے نتیجے میں دی گئی ہے۔

﴿اِلٰی یَوۡمِ یَلۡقَوۡنَہٗ﴾ ''(اور یہ نفاق اب رہے گا) اُس دن تک جس دن یہ لوگ ملاقات کریں گے اُس سے''

اس نفاق سے اب ان کی جان روزِ قیامت تک نہیں چھوٹے گی۔ یہ کانٹا ان کے دلوں سے نکلے گا نہیں۔

﴿بِمَاۤ اَخۡلَفُوا اللّٰہَ مَا وَعَدُوۡہُ وَبِمَا کَانُوۡا یَکۡذِبُوۡنَ ﴿۷۷﴾﴾ ''بسبب اُس وعدہ خلافی کے جو انہوں نے اللہ سے کی اور بسبب اس جھوٹ کے جو وہ بولتے رہے۔''

آیت ۷۸ ﴿اَلَمۡ یَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ یَعۡلَمُ سِرَّہُمۡ وَنَجۡوٰىہُمۡ وَاَنَّ اللّٰہَ عَلَّامُ الۡغُیُوۡبِ ﴿۷۸﴾﴾ ''کیا انہیں معلوم نہیں ہے کہ اللہ جانتا ہے ان کے بھیدوں کو اور ان کی سرگوشیوں کو اور یہ کہ اللہ تمام غیب کا جاننے والا ہے۔''

آیت ۷۹ ﴿اَلَّذِیۡنَ یَلۡمِزُوۡنَ الۡمُطَّوِّعِیۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ فِی الصَّدَقٰتِ﴾ ''جو طعن کرتے ہیں دل کی خوشی سے نیکی کرنے والے اہل ایمان پر (اُن کے) صدقات کے بارے میں''

جب رسول اللہ ﷺ نے تبوک کی مہم کے لیے انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دی تو مسلمانوں کی طرف سے ایثار اور اخلاص کے عجیب و غریب مظاہر دیکھنے میں آئے۔ ابوعقیل رضی اللہ عنہ ایک انصاری صحابی تھے' ان کے پاس دینے کو کچھ نہیں تھا۔ انہوں نے رات بھر ایک یہودی کے ہاں مزدوری کی اور ساری رات کنویں سے پانی نکال نکال کر اس کے باغ کو سیراب کرتے رہے۔ صبح انہیں مزدوری کے طور پر کچھ کھجوریں ملیں۔ انہوں نے اُن میں سے آدھی کھجوریں تو گھر میں بچوں کے لیے چھوڑ دیں اور باقی آدھی حضور ﷺ کی خدمت میں لا کر پیش کر دیں۔ آپ ﷺ اس صحابی کے خلوص و اخلاص اور حسن عمل سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ یہ کھجوریں سب مال و اسباب پر بھاری ہیں۔ لہٰذا آپ ﷺ کی ہدایت کے مطابق انہیں سامان کے پورے ڈھیر کے اوپر پھیلا دیا گیا۔ لیکن وہاں جو منافقین تھے انہوں نے حضرت ابوعقیل رضی اللہ عنہ کا مذاق اڑایا اور فقرے کسے کہ جی ہاں' کیا کہنے! بہت بڑی قربانی دی ہے! ان کھجوروں کے بغیر تو یہ مہم کامیاب ہو ہی نہیں سکتی تھی' وغیرہ وغیرہ۔

﴿وَالَّذِیۡنَ لَا یَجِدُوۡنَ اِلَّا جُہۡدَہُمۡ فَیَسۡخَرُوۡنَ مِنۡہُمۡ ؕ سَخِرَ اللّٰہُ مِنۡہُمۡ ۫ وَلَہُمۡ

عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۷۹﴾﴾ ''اور جن کے پاس اپنی محنت و مشقت کے سوا کچھ ہے ہی نہیں (اور وہ اس میں سے بھی خرچ کرتے ہیں) تو وہ (منافقین) ان کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اللہ ان کا مذاق اڑاتا ہے' اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

آیت ۸۰ ﴿اِسۡتَغۡفِرۡ لَہُمۡ اَوۡ لَا تَسۡتَغۡفِرۡ لَہُمۡ ؕ اِنۡ تَسۡتَغۡفِرۡ لَہُمۡ سَبۡعِیۡنَ مَرَّۃً فَلَنۡ یَّغۡفِرَ اللّٰہُ لَہُمۡ ؕ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) آپ ان کے لیے استغفار کریں یا ان کے لیے استغفار نہ کریں۔ اگر آپ ستر مرتبہ بھی ان کے لیے استغفار کریں گے تب بھی اللہ انہیں ہرگز معاف نہیں فرمائے گا۔''

یہ آیت سورۃ النساء کی آیت ۱۴۵ ﴿اِنَّ الۡمُنٰفِقِیۡنَ فِی الدَّرۡکِ الۡاَسۡفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ﴾ کے بعد منافقین کے حق میں سخت ترین آیت ہے۔

﴿ذٰلِکَ بِاَنَّہُمۡ کَفَرُوۡا بِاللّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖ ؕ وَاللّٰہُ لَا یَہۡدِی الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِیۡنَ ﴿۸۰﴾﴾ ''یہ اس لیے کہ یہ لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ کفر کر چکے ہیں' اور اللہ ایسے فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

آیات ۸۱ تا ۸۹

﴿فَرِحَ الۡمُخَلَّفُوۡنَ بِمَقۡعَدِہِمۡ خِلٰفَ رَسُوۡلِ اللّٰہِ وَکَرِہُوۡۤا اَنۡ یُّجَاہِدُوۡا بِاَمۡوَالِہِمۡ وَاَنۡفُسِہِمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَقَالُوۡا لَا تَنۡفِرُوۡا فِی الۡحَرِّ ؕ قُلۡ نَارُ جَہَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوۡ کَانُوۡا یَفۡقَہُوۡنَ ﴿۸۱﴾ فَلۡیَضۡحَکُوۡا قَلِیۡلًا وَّلۡیَبۡکُوۡا کَثِیۡرًا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا کَانُوۡا یَکۡسِبُوۡنَ ﴿۸۲﴾ فَاِنۡ رَّجَعَکَ اللّٰہُ اِلٰی طَآئِفَۃٍ مِّنۡہُمۡ فَاسۡتَاۡذَنُوۡکَ لِلۡخُرُوۡجِ فَقُلۡ لَّنۡ تَخۡرُجُوۡا مَعِیَ اَبَدًا وَّلَنۡ تُقَاتِلُوۡا مَعِیَ عَدُوًّا ؕ اِنَّکُمۡ رَضِیۡتُمۡ بِالۡقُعُوۡدِ اَوَّلَ مَرَّۃٍ فَاقۡعُدُوۡا مَعَ الۡخٰلِفِیۡنَ ﴿۸۳﴾ وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤی اَحَدٍ مِّنۡہُمۡ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمۡ عَلٰی قَبۡرِہٖ ؕ اِنَّہُمۡ کَفَرُوۡا بِاللّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖ وَمَاتُوۡا وَہُمۡ فٰسِقُوۡنَ ﴿۸۴﴾ وَلَا تُعۡجِبۡکَ اَمۡوَالُہُمۡ وَاَوۡلَادُہُمۡ ؕ اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ اَنۡ یُّعَذِّبَہُمۡ بِہَا فِی الدُّنۡیَا وَتَزۡہَقَ اَنۡفُسُہُمۡ

وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ
اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ۝ رَضُوْا بِاَنْ
يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝ لٰكِنِ الرَّسُوْلُ
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۡ
وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

آیت ۸۱ ﴿فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ ''بہت خوش ہو گئے پیچھے رہ جانے والے اپنے بیٹھ رہنے پر اللہ کے رسولؐ کے (جانے کے) بعد' اور انہوں نے ناپسند کیا کہ وہ جہاد کرتے اپنی جانوں اور اپنے مالوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں''

﴿وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ۭ﴾ ''اور (دوسروں سے بھی) کہنے لگے کہ اس گرمی میں مت نکلو۔''

یہ لوگ خود بھی اللہ کے رستے میں نہ نکلے اور دوسروں کو بھی روکنے کی کوشش میں رہے کہ ہم تو رخصت لے آئے ہیں' تم بھی ہوش کے ناخن لو' اس قدر شدید گرمی میں سفر کے لیے مت نکلو۔

﴿قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ۭ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ۝﴾ ''(اے نبی ﷺ! ان سے) کہہ دیجیے' جہنم کی آگ اس سے کہیں زیادہ گرم ہے' کاش ان لوگوں کو فہم حاصل ہوتا۔''

آیت ۸۲ ﴿فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝﴾ ''تو انہیں چاہیے کہ ہنسیں کم اور روئیں زیادہ' بدلہ اُس کا جو کمائی انہوں نے کی ہے۔''

آیت ۸۳ ﴿فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَاۗىِٕفَةٍ مِّنْهُمْ﴾ ''پس (اے نبی ﷺ) اگر اللہ آپ کو لوٹا کر لے جائے ان کے کسی گروہ کے پاس''

مضمون سے ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ آیت مقامِ تبوک پر نازل ہوئی ہے۔ سورت کے اس دوسرے حصے کے پہلے چار رکوعوں (چھٹے رکوع سے لے کر نویں رکوع تک) کے بارے میں

تو یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ غزوۂ تبوک پر روانگی سے قبل نازل ہوئے تھے۔ ان کے بعد کی آیات مختلف مواقع پر نازل ہوئیں' کچھ جاتے ہوئے راستے میں' کچھ تبوک میں قیام کے دوران اور کچھ واپس آتے ہوئے راستے میں۔

﴿فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ﴾ ''پھر وہ آپؐ سے اجازت مانگیں (آپؐ کے ساتھ) نکلنے کے لیے''

یعنی کسی مہم پر' کسی اور دشمن کے خلاف آپ ﷺ کے ساتھ جہاد میں شریک ہونا چاہیں:

﴿فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا﴾ ''تو کہہ دیجیے گا کہ اب تم میرے ساتھ کبھی نہیں نکلو گے''

غزوۂ تبوک کی مہم میں تمہارا آخری امتحان ہو چکا ہے اور اس میں تم لوگ ناکام ہو چکے ہو۔

﴿وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ۭ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ ''اور اب میرے ساتھ ہو کر تم کسی دشمن کے ساتھ جنگ نہیں کرو گے۔ تم پہلی مرتبہ راضی ہو گئے تھے بیٹھ رہنے پر''

جب جہاد کے لیے نفیر عام ہوئی اور سب پر نکلنا فرض قرار پایا تو تم اپنے گھروں میں بیٹھ رہنے پر راضی ہو گئے۔

﴿فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ۝﴾ ''تو (اب ہمیشہ کے لیے) بیٹھ رہو پیچھے رہنے والوں کے ساتھ۔''

آیت ۸۴ ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰي قَبْرِهٖ ۭ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ) ان میں سے کوئی مر جائے تو اس کی نمازِ جنازہ کبھی بھی ادا نہ کریں اور اس کی قبر پر بھی کھڑے نہ ہوں۔''

یہ گویا اب اُن کی رسوائی کا سامان ہو رہا ہے۔ اب تک تو منافقت پر پردے پڑے ہوئے تھے مگر اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ جب کسی کی نمازِ جنازہ پڑھنے سے انکار فرماتے تھے تو سب کو معلوم ہو جاتا تھا کہ وہ منافق مرا ہے۔

﴿اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝﴾ ''یقیناً انہوں نے کفر کیا ہے اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ اور وہ مرے ہیں اسی حال میں کہ وہ نافرمان تھے۔''

آیت ۸۵ ﴿وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ؕ﴾ ''اور آپؐ کو پسند نہ آئیں اُن کے اموال اور ان کی اولاد۔''

یعنی آپؐ ان کے مال اور اولاد کو وقعت مت دیجیے۔ یہ آیت اسی سورت میں ۵۵ نمبر پر معمولی فرق کے ساتھ پہلے بھی آ چکی ہے۔

﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝۸۵﴾ ''اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ انہیں عذاب دے انہی چیزوں کے ذریعے سے دنیا میں اور ان کی جانیں نکلیں اسی حالتِ کفر میں۔''

آیت ۸۶ ﴿وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ﴾ ''اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے کہ ایمان لاؤ اللہ پر اور جہاد کرو اُس کے رسولؐ کے ساتھ مل کر تو رخصت مانگتے ہیں آپؐ سے مقدرت والے بھی''

﴿وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ۝۸۶﴾ ''اور کہتے ہیں کہ ہمیں چھوڑ دیجیے کہ ہم بیٹھ رہنے والوں میں شامل ہو جائیں۔''

آیت ۸۷ ﴿رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ﴾ ''وہ اس پر راضی ہو گئے کہ پیچھے رہنے والی عورتوں میں شامل ہو جائیں''

اس اندازِ بیان میں اُن پر گہرا طنز ہے۔ یعنی جنگ کرنا مردوں کا کام ہے جبکہ خواتین اور بچے ایسے مواقع پر پیچھے گھروں میں رہ جاتے ہیں۔ چنانچہ اب جب تمام مردوں پر لازم ہے کہ وہ غزوۂ تبوک کے لیے نکلیں، تو یہ منافقین طرح طرح کے بہانوں سے رخصت چاہتے ہیں۔ گویا انہوں نے پیچھے گھروں میں رہ جانے والی عورتوں کا کردار اپنے لیے پسند کر لیا ہے۔

﴿وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝۸۷﴾ ''اور ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی ہے، پس اب وہ سمجھ نہیں سکتے۔''

آیت ۸۸ ﴿لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ﴾ ''لیکن (اس کے برعکس) رسولؐ اور وہ لوگ جو آپؐ کے ساتھ ایمان لائے، انہوں نے جہاد کیا اللہ کی راہ میں اپنے اموال سے بھی اور اپنی جانوں سے بھی۔''

﴿وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۸۸﴾ ''اور یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے بھلائیاں ہیں، اور یہی لوگ ہیں فلاح پانے والے۔''

فلاح محض ایک لفظ ہی نہیں بلکہ قرآن کی ایک جامع اصطلاح ہے۔ اس اصطلاح پر تفصیلی گفتگو ان شاء اللہ سورۃ المؤمنون کے آغاز میں ہوگی۔

آیت ۸۹ ﴿اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۸۹﴾ ''اللہ نے ان کے لیے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے دامن میں (یا جن کے نیچے) ندیاں بہتی ہوں گی، جن میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔ یہی ہے بہت بڑی کامیابی۔''

آیات ۹۰ تا ۹۹

وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۹۰ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۹۱ وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۖ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ۝۹۲ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۹۳ يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ؕ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ؕ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۹۴ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ۙ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝۹۵

يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٩٦﴾ اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٩٧﴾ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٩٨﴾ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٩٩﴾

آیت ۹۰ ﴿وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ﴾ ''اور آئے آپؐ کے پاس بہانے بنانے والے بدّو بھی کہ ان کو رخصت دے دی جائے''

'اَعْرَاب' جمع ہے 'اعرابی' کی' یعنی بدّو' دیہاتی' بادیہ نشین لوگ۔ جہاد کے لیے اس نفیرِ عام کا اطلاق مدینہ کے اطراف وجوانب کی آبادیوں میں بسنے والے مسلمانوں پر بھی ہوتا تھا۔ اب اُن کا ذکر ہو رہا ہے کہ اُن میں سے بھی لوگ آ آ کر بہانے بنانے لگے کہ انہیں اس مہم پر جانے سے معاف رکھا جائے۔

﴿وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ﴾ ''اور بیٹھ رہے وہ لوگ جنہوں نے جھوٹ کہا تھا اللہ سے اور اس کے رسولؐ سے۔''

انہوں نے جو وعدے کیے تھے وہ جھوٹے نکلے یا جو عذر وہ لوگ رخصت کے لیے پیش کر رہے تھے وہ سب بے بنیاد تھے۔

﴿سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٩٠﴾﴾ ''عنقریب دردناک عذاب پہنچے گا ان لوگوں کو جو ان میں سے کفر پر اڑے رہیں گے۔''

آیت ۹۱ ﴿لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ﴾ ''کچھ گناہ (اور الزام) نہیں ضعیفوں پر' نہ بیماروں پر' اور نہ ہی ان لوگوں پر جن کے پاس خرچ کرنے کے لیے کچھ نہیں''

آخر اتنا طویل سفر کرنے کے لیے ضروری تھا کہ آدمی تندرست وتوانا ہو' اس کے پاس

سواری کا انتظام ہو' راستے میں کھانے پینے اور دوسری ضروریات کے لیے سامان مہیا ہو' لیکن اگر کوئی شخص ضعیف ہے' بیمار ہے' یا اس قدر نادار ہے کہ سفر کے اخراجات کے لیے اس کے پاس کچھ بھی نہیں تو اللہ کی نظر میں وہ واقعتاً مجبور و معذور ہے۔ لہٰذا ایسے لوگوں سے کوئی مؤاخذہ نہیں۔ ان کو اس بات کا کوئی الزام نہیں دیا جا سکتا۔

﴿اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ﴾ ''جبکہ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ مخلص ہوں۔''

﴿مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٩١﴾﴾ ''ایسے محسنین پر کوئی الزام نہیں' اور اللہ غفور اور رحیم ہے۔''

یعنی مندرجہ بالا وجوہات میں سے کسی وجہ سے کوئی شخص واقعی معذور ہے مگر سچا اور پکا مومن ہے' خلوصِ دل سے اللہ اور اس کے رسول کا وفادار ہے' اس کا دین درجۂ احسان تک پہنچا ہوا ہے' تو ایسے صاحبِ ایمان اور محسن لوگوں پر کوئی ملامت نہیں۔

آیت ۹۲ ﴿وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۖ﴾ ''اور نہ ہی ان پر (کوئی الزام ہے) جو آئے آپؐ کے پاس کہ آپؐ ان کے لیے سواری کا انتظام کر دیں تو آپؐ نے فرمایا کہ میرے پاس بھی کوئی چیز نہیں جس پر میں تم لوگوں کو سوار کر سکوں''

﴿تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴿٩٢﴾﴾ ''(تو مجبوراً) وہ لوٹ گئے اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے' اس رنج سے کہ ان کے پاس کچھ نہیں جسے وہ خرچ کر سکیں۔''

یعنی وہ لوگ جو دل و جان سے چاہتے تھے کہ اس مہم میں شریک ہوں' مگر وسائل کی کمی کی وجہ سے شرکت نہیں کر پا رہے تھے' اپنی اس محرومی پر وہ واقعتاً صدمے اور رنج و غم سے ہلکان ہو رہے تھے۔ ایک طرف ایسے مؤمنین صادقین تھے اور دوسری طرف وہ صاحبِ حیثیت (اُولُوا الطَّوْلِ) لوگ جن کے پاس سب کچھ موجود تھا' وسائل و ذرائع کی کمی نہیں تھی' تندرست و توانا تھے' لیکن اس سب کچھ کے باوجود وہ اللہ کی راہ میں نکلنے کو تیار نہیں تھے۔

آیت ۹۳ ﴿اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ﴾ ''الزام تو ان لوگوں پر ہے جو آپؐ سے رخصت مانگتے ہیں جب کہ وہ غنی (مالدار) ہیں۔''

﴿رَضُوْا بِاَنْ یَّکُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ﴾ ''وہ راضی ہو گئے اس پر کہ ہو جائیں پیچھے رہنے والی عورتوں کے ساتھ''

﴿وَطَبَعَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ فَھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ﴿۹۳﴾﴾ ''اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی ہے' پس وہ صحیح علم سے بے بہرہ ہو چکے ہیں۔''

آیت ۹۴ ﴿یَعْتَذِرُوْنَ اِلَیْکُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَیْھِمْ﴾ ''بہانے بنائیں گے وہ تمہارے پاس آ کر جب تم لوگ اُن کے پاس لوٹ کر جاؤ گے۔''

یَعْتَذِرُوْنَ چونکہ فعل مضارع ہے اس لیے اس کا ترجمہ حال میں بھی ہو سکتا ہے اور مستقبل میں بھی۔ اگر تو یہ آیات تبوک سے واپسی کے سفر کے دوران نازل ہوئی ہیں تو ترجمہ وہ ہوگا جو اوپر کیا گیا ہے' لیکن اگر ان کا نزول رسول اللہ ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد ہوا ہے تو ترجمہ یوں ہوگا: ''بہانے بنا رہے ہیں وہ تمہارے پاس آ کر جب تم لوگ اُن کے پاس لوٹ کر آ گئے ہو۔''

﴿قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَکُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰہُ مِنْ اَخْبَارِکُمْ﴾ ''آپؐ کہہ دیجیے (یا کہہ دیجیے گا) کہ بہانے مت بناؤ' ہم تمہاری بات نہیں مانیں گے' اللہ نے ہمیں پوری طرح مطلع کر دیا ہے تمہاری خبروں سے۔''

مہم پر جانے سے قبل تو حضور ﷺ اپنی طبعی شرافت اور مروّت کے باعث منافقین کے جھوٹے بہانوں پر بھی سکوت فرماتے رہے تھے' لیکن اب چونکہ بذریعہ وحی ان کے جھوٹ کے سارے پردے چاک کر دیے گئے تھے اس لیے فرمایا جا رہا ہے کہ اے نبی ﷺ! اب آپ ڈنکے کی چوٹ اُن سے کہہ دیجیے کہ اب ہم تمہاری کسی بات پر یقین نہیں کریں گے' کیونکہ اب اللہ تعالیٰ نے تمہاری باطنی کیفیات سے ہمیں مطلع کر دیا ہے۔

﴿وَسَیَرَی اللّٰہُ عَمَلَکُمْ وَرَسُوْلُہٗ﴾ ''اب اللہ اور اس کا رسول تمہارے عمل کو دیکھیں گے''

یعنی آئندہ تمہارے طرزِ عمل اور رویّے (attitude) کا جائزہ لیا جائے گا۔

﴿ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰی عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ فَیُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴿۹۴﴾﴾

''پھر تمہیں لوٹا دیا جائے گا اُس (اللہ) کی طرف جو غائب و حاضر کا جاننے والا ہے' پھر وہ تمہیں بتا دے گا جو کچھ تم کرتے رہے تھے۔''

آیت ۹۵ ﴿سَیَحْلِفُوْنَ بِاللّٰہِ لَکُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَیْھِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْھُمْ﴾ ''ابھی یہ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھائیں گے (یا کھا رہے ہیں) جب کہ تم لوگ اُن کی طرف لوٹ کر جاؤ گے (یا آ گئے ہو) تاکہ آپؐ ان سے چشم پوشی برتیں۔''

﴿فَاَعْرِضُوْا عَنْھُمْ اِنَّھُمْ رِجْسٌ وَّمَاْوٰىھُمْ جَھَنَّمُ جَزَآءًۢ بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ﴿۹۵﴾﴾ ''تو (ٹھیک ہے) آپؐ اُن سے اعراض برتیں۔ یہ ناپاک لوگ ہیں اور ان کا ٹھکانہ آگ ہے' بدلہ اس کا جو کمائی یہ کرتے رہے ہیں۔''

آیت ۹۶ ﴿یَحْلِفُوْنَ لَکُمْ لِتَرْضَوْا عَنْھُمْ﴾ ''یہ قسمیں کھائیں گے (یا کھا رہے ہیں' اے مسلمانو!) تمہارے سامنے تاکہ تم ان سے راضی ہو جاؤ۔''

اب یہ ان منافقین کی دنیاداری کے لحاظ سے مجبوری تھی۔ ایک معاشرے کے اندر سب کا اکٹھے رہنا سہنا تھا۔ اوس اور خزرج کے اندر ان کی رشتہ داریاں تھیں۔ ایسے ماحول میں وہ سمجھتے تھے کہ اگر مسلمانوں کے دل ان کی طرف سے صاف نہ ہوئے تو وہ اس معاشرے کے اندر ایک طرح سے اچھوت بن کر رہ جائیں گے۔ اس لیے وہ مسلمانوں کے اندر اپنا اعتماد پھر سے بحال کرنے کے لیے ہر طرح سے دوڑ دھوپ کر رہے تھے' مسلمانوں سے ملاقاتیں کرتے تھے' ان کو اپنی مجبوریاں بتاتے تھے اور ان کے سامنے قسمیں کھا کھا کر اپنے اخلاص کا یقین دلانے کی کوشش کرتے تھے۔

﴿فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْھُمْ فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یَرْضٰی عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ﴿۹۶﴾﴾ ''تو اگر تم ان سے راضی ہو بھی گئے تو اللہ ان نافرمانوں سے راضی ہونے والا نہیں ہے۔''

آیت ۹۷ ﴿اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ کُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا یَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ﴿۹۷﴾﴾ ''یہ بدو لوگ کفر و نفاق میں زیادہ سخت ہیں اور زیادہ اس لائق ہیں کہ ناواقف ہوں اُس چیز کی حدود سے جو اللہ نے اپنے رسولؐ پر نازل فرمائی ہے۔ اور اللہ سب کچھ جاننے والا' کمال حکمت والا ہے۔''

یعنی اہلِ مدینہ تو مسلسل رسول اللہ ﷺ کی صحبت سے فیض یاب ہو رہے تھے' آپ ﷺ سے جمعہ کے خطبات سنتے تھے اور آپ ﷺ کی نصیحت کا ایک سلسلہ شب و روز ان کے درمیان چلتا رہتا تھا۔ مگر ان بادیہ نشین لوگوں کو تعلیم و تعلّم کے ایسے مواقع میسر نہیں تھے۔ لہٰذا فطری اور منطقی طور پر کفر و شرک اور نفاق کی شدت ان لوگوں میں نسبتاً زیادہ تھی۔

آیت ۹۸ ﴿وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا﴾ ''اوران بدّوؤں میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ جو کچھ انہیں خرچ کرنا پڑتا ہے اسے وہ تاوان سمجھتے ہیں''

یعنی زکوٰۃ، عُشر وغیرہ کی ادائیگی جو اسلامی نظامِ حکومت کے تحت اُن پر عائد ہوئی ہے یہ لوگ اس کو تاوان سمجھتے ہوئے بڑی ناگواری سے ادا کرتے ہیں، اس لیے کہ اس سے پہلے اس علاقے میں نہ تو کوئی ایسا نظام تھا اور نہ ہی یہ لوگ محصولات وغیرہ ادا کرنے کے عادی تھے۔

﴿وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ﴾ ''اور وہ منتظر ہیں تم لوگوں پر کسی گردشِ زمانہ کے۔''

یہ لوگ بڑی بے صبری سے انتظار کر رہے ہیں کہ گردشِ زمانہ کے باعث مسلمانوں کے خلاف کچھ ایسے حالات پیدا ہو جائیں جن سے مدینہ کی یہ اسلامی حکومت ختم ہو جائے اور وہ ان پابندیوں سے آزاد ہو جائیں۔

﴿عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۹۸﴾﴾ ''(اصل میں) بُری گردش خود ان کے اوپر مسلّط ہے۔ اور اللہ سب کچھ سننے والا، جاننے والا ہے۔''

ان کی منافقت جوان کے دلوں کا روگ بن چکی ہے، وہی اصل برائی ہے جو ان پر مسلط ہے۔

آیت ۹۹ ﴿وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ﴾ ''اور ان بدوؤں میں وہ لوگ بھی ہیں جو ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور یومِ آخرت پر، اور جو وہ خرچ کرتے ہیں (اللہ کی راہ میں) اُس کو سمجھتے ہیں اللہ کے قرب اور رسولؐ کی دعاؤں کا ذریعہ۔''

یعنی یہ بادیہ نشین لوگ سب کے سب ہی کفر و نفاق پر کاربند اور انفاق فی سبیل اللہ کو تاوان سمجھنے والے نہیں ہیں، بلکہ ان میں سچے مؤمن بھی ہیں، جو نہ صرف اللہ کے راستے میں شوق سے خرچ کرتے ہیں بلکہ اِس انفاق کو تقرب الی اللہ کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ انہیں یقین ہے کہ دین کے لیے مال خرچ کرنے سے اللہ کے رسولؐ کی دعائیں بھی اُن کے شاملِ حال ہو جائیں گی۔

﴿اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۹﴾﴾

''آگاہ ہو جاؤ، یہ (اُن کا انفاق) واقعتاً ان کے لیے باعثِ تقرّب ہے، عنقریب اللہ انہیں اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ یقیناً اللہ معاف فرمانے والا، رحم فرمانے والا ہے۔''

آیات ۱۰۰ تا ۱۱۰

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ
بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ
تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۰۰﴾ وَمِمَّنْ
حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛ مَرَدُوْا عَلَى
النِّفَاقِ ۟ لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ
اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا
وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰۲﴾
خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ
اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۳﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ
يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ
الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾ وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ
وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾
وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ
عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ
الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ
اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ لَا تَقُمْ فِيْهِ
اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ
فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾
اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ
اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَاللّٰهُ

لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

اب اہلِ ایمان کے مابین حفظِ مراتب کا مضمون آ رہا ہے' کیونکہ کسی بھی معاشرے میں تمام انسان برابر نہیں ہوتے: ؎

خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد نہ ہر زن زن است و نہ ہر مرد مرد!

مدینہ کے اس معاشرے میں بھی سب لوگ نظریاتی طور پر برابر نہیں تھے' حتیٰ کہ جو منافقین تھے وہ بھی سب ایک جیسے منافق نہیں تھے۔ چونکہ انسانی فطرت تو تبدیل نہیں ہوتی اس لیے آئندہ بھی جب کبھی کسی مسلمان معاشرے میں کوئی دینی تحریک اٹھے گی تو اُسی طرح کی صورتِ حال پیش آئے گی۔ تحریک کے ارکان کے درمیان درجہ بندی کا ایک واضح اور غیر مبہم ادراک ناگزیر ہوگا۔ لہٰذا یہ درجہ بندی حکمتِ قرآنی کا ایک بہت اہم موضوع ہے اور اس اعتبار سے یہ آیات بہت اہم ہیں۔

آیت ۱۰۰ ﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ﴾ ''اور پہلے پہل سبقت کرنے والے مہاجرین اور انصار میں سے' اور وہ جنہوں نے اُن کی پیروی کی نیکوکاری کے ساتھ''

﴿رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ﴾ ''اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے' اور اس نے ان کے لیے وہ باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے ندیاں بہتی ہوں گی' ان میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔''

﴿ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝﴾ ''یہی ہے بہت بڑی کامیابی۔''

اس درجہ بندی کے مطابق اہل ایمان کے یہ دو مراتب بلند ترین ہیں۔ یعنی سب سے اوپر السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ اور اس کے بعد ان کے پیروکار۔ (اس سے پہلے ایک درجہ بندی ہم سورۃ النساء کی آیت ۶۹ میں انبیاء' صدیقین' شہداء اور صالحین کے مراتب میں بھی دیکھ چکے ہیں۔ مگر وہ درجہ بندی کسی اور اعتبار سے ہے جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں)۔ بنیادی طور پر ان دونوں گروہوں کے لوگ نیک سیرت ہیں جو فطرتِ سلیمہ اور عقلِ سلیم سے نوازے گئے ہیں۔

البتہ ان کی آپس کی درجہ بندی میں جو فرق ہے وہ ان کی طبیعت اور ہمت کے فرق کے باعث ہے۔ ان میں سے درجہ اول (السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ) پر فائز دراصل وہ لوگ ہیں جو حق کو سامنے آتے ہی فوراً قبول کر لیتے ہیں۔ حق ان کے لیے اس قدر قیمتی متاع ہے کہ اس کی قبولیت میں ذرا سی تاخیر بھی انہیں گوارا نہیں ہوتی۔ وہ اتنے باہمت لوگ ہوتے ہیں کہ قبولِ حق کا فیصلہ کرتے ہوئے وہ اس کے نتائج و عواقب کے بارے میں سوچ بچار میں نہیں پڑتے۔ وہ اس خیال کو خاطر میں نہیں لاتے کہ اس کے بعد انہیں کیا کچھ چھوڑنا ہوگا اور کیا کچھ بھگتنا پڑے گا۔ نہ وہ لوگ یہ دیکھتے ہیں کہ اُن کے آگے اس راستے پر پہلے سے کوئی چل بھی رہا ہے یا نہیں' اور اگر نہیں چل رہا تو کسی اور کے آنے کا انتظار کر لیں' سب سے پہلے' اکیلے وہ کیونکر اس پرخطر وادی میں کود پڑیں! وہ ان سب پہلوؤں پر سوچنے میں وقت ضائع نہیں کرتے' حق کو قبول کرنے میں کوئی سمجھوتہ نہیں کرتے' کسی مصلحت کو خاطر میں نہیں لاتے' عقل کے دلائل کی منطق میں نہیں پڑتے اور ع ''ہر چہ باداباد' ما کشتی در آب انداختیم'' کے مصداق آتش ابتلا میں کود جاتے ہیں۔ بقولِ اقبالؔ:

؎ بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق عقل ہے کہ محوِ تماشائے لبِ بام ابھی!

دوسرے درجہ میں وہ لوگ ہیں جو ان السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ کے اتباع میں داعیٔ حق کی پکار پر لبیک کہتے ہیں۔ یہ بھی سلیم الفطرت لوگ ہوتے ہیں' حق کو پہلی نظر میں پہچاننے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور اس کی قبولیت کے لیے آمادہ بھی ہوتے ہیں' مگر ان میں ہمت قدرے کم ہوتی ہے۔ یہ ''ہر چہ باداباد'' والا نعرہ بلند نہیں کر سکتے اور چاہتے ہیں کہ یہ نئی پگڈنڈی ذرا راستے کی شکل اختیار کر لے' ہمارے آگے کوئی دو چار لوگ چلتے ہوئے نظر آئیں تو ہم بھی اُن کے پیچھے چل پڑیں گے۔ یعنی اس میں معاملہ نیت کے کسی خلل کا نہیں' صرف ہمت کی کمی کا ہے۔ اور وہ بھی اس لیے کہ ان کی طبائع ہی اس نہج پر بنائی گئی ہیں' جیسے حضور ﷺ نے فرمایا: ((اَلنَّاسُ مَعَادِنُ كَمَعَادِنِ الْفِضَّةِ وَالذَّهَبِ)) (۱) ''انسان (معدنیات کی) کانوں کی طرح ہیں' جیسے چاندی اور سونے کی کانیں ہوتی ہیں''۔ یعنی جس طرح معدنیات کی قسمیں ہوتی ہیں اسی طرح انسانوں کی بھی مختلف اقسام ہیں۔ ظاہر ہے آپ سونے کی کچ دھات (ore) کو صاف کریں گے تو خالص سونا حاصل ہوگا۔ چاندی کی ore کو خواہ کتنا ہی صاف کر لیں وہ سونا نہیں بن سکتی۔

(۱) صحیح مسلم' کتاب البر والصلة والآداب' باب الارواح جنود مجندة۔

اسی طرح انسانوں کے طبائع میں جو بنیادی فرق ہوتا ہے اس کے سبب سب انسان برابر نہیں ہو سکتے۔

بہر حال یہاں پر اللہ تعالیٰ نے ''اَلسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ'' اور اُن کے اتباع میں حق کو قبول کرنے والوں کا ذکر ایک ساتھ کیا ہے' کیونکہ ان متبعین نے بھی حق کو حق سمجھ کر قبول کیا ہے' پوری نیک نیتی سے قبول کیا ہے اور صرف اللہ کی رضا کے لیے قبول کیا ہے۔ اس سلسلے میں کوئی اور غرض' کوئی اور عامل' کوئی اور مفاد ان کے پیش نظر نہیں تھا۔ بس تھوڑی سی ہمت کی کمی تھی جس کی وجہ سے وہ سبقت نہ لے سکے' مگر دوسرے درجے پر فائز ہو گئے۔

اب یہاں ایک اہم بات یہ نوٹ کرنے کی ہے کہ ''اَلسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ'' مہاجرین میں سے بھی ہیں اور انصار میں سے بھی' اور پھر ان میں ان کے اپنے اپنے متبعین ہیں۔ انصار چونکہ کہیں دس سال بعد ایمان لائے تھے' اس لیے اگر زمانی اعتبار سے دیکھا جائے تو گروہِ مہاجرین میں سے جو اصحابِ متبعین قرار پائے ہیں وہ انصار کے ''اَلسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ'' سے بھی پہلے ایمان لائے تھے' مگر اس درجہ بندی اور مراتب میں وہ ان سے پیچھے ہی رہے۔ اس لیے کہ یہاں پہلے یا بعد میں آنے کا اعتبار زمانی لحاظ سے نہیں' بلکہ یہ مزاج کا معاملہ ہے اور اس پہلے ردِعمل کا معاملہ ہے جو کسی کے مزاج سے اس وقت ظہور پذیر ہوا جب اس نے پہلی دفعہ حق کو پہچانا۔ لہٰذا اگرچہ اہلِ مدینہ (جو بعد میں انصار کہلائے) بہت بعد میں ایمان لائے تھے مگر ان میں بھی وہ لوگ ''اَلسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ'' ہی قرار پائے تھے جنہوں نے حق کو پہچان کر فوراً لبیک کہا' پھر نہ نتائج کی پروا کی اور نہ کوئی مصلحت ان کے آڑے آئی۔

آیت ۱۰۱ ﴿وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛ﴾ ''اور جو تمہارے آس پاس کے بادیہ نشین ہیں ان میں منافق بھی ہیں۔''

اعلیٰ ترین مراتب والے اصحاب کے ذکر کے بعد اب بالکل نچلی سطح کے لوگوں کا تذکرہ ہو رہا ہے۔

﴿وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۖ﴾ ''اور اہل مدینہ میں بھی' جو نفاق پر اڑ چکے ہیں''

یہ وہ لوگ ہیں جن کے نفاق کا مرض اب آخری مرحلے میں پہنچ کر لاعلاج ہو چکا ہے اور اب اس مرض سے ان کے شفایاب ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ منافقت کے مرض کی بھی ٹی بی کی طرح تین stages ہوتی ہیں۔ جھوٹے بہانے بنانا اس مرض کی ابتدا ہے' جبکہ بات

بات پر جھوٹی قسمیں کھانا دوسری سٹیج کی علامت ہے' اور جب یہ مرض تیسری اور آخری سٹیج میں پہنچتا ہے تو اس کی واضح علامت منافقین کی اہل ایمان کے ساتھ ضد اور دشمنی کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ اس لیے کہ اہل ایمان تو دین کے تمام مطالبات خوشی خوشی پورے کرتے ہیں' جس مہم سے بچنے کے لیے منافقین بہانے تراشنے میں مصروف ہوتے ہیں اہل ایمان بلا حیل و حجت اس کے لیے دل و جان سے حاضر ہو جاتے ہیں۔ مؤمنین صادقین کا یہ رویہ منافقین کے لیے ایک عذاب سے کم نہیں ہوتا' جس کے باعث آئے دن ان کی سبکی ہوتی ہے اور آئے دن ان کی منافقت کا پول کھلتا رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ منافقین کو مسلمانوں سے نفرت اور عداوت ہو جاتی ہے اور یہی اس مرض کی آخری سٹیج ہے۔

﴿لَا تَعْلَمُهُمْ ۭ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۭ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ﴾ ''آپؐ انہیں نہیں جانتے' ہم انہیں جانتے ہیں۔ ہم انہیں دوہرا عذاب دیں گے''

منافقینِ مدینہ تو ہر روز نئے عذاب سے گزرتے تھے۔ ہر روز کہیں نہ کہیں اللہ کی راہ میں نکلنے کا مطالبہ ہوتا تھا اور ہر روز انہیں جھوٹی قسمیں کھا کھا کر' جھوٹے بہانے بنا بنا کر جان چھڑانا پڑتی تھی۔ اس لحاظ سے ان کی زندگی مسلسل عذاب میں تھی۔

﴿ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ۝۱۰۱﴾ ''پھر وہ لوٹا دیے جائیں گے ایک بہت بڑے عذاب کی طرف۔''

دنیا کا عذاب جتنا بھی ہو آخرت کے عذاب کے مقابلے میں تو کچھ بھی نہیں۔ لہٰذا دنیا کے عذاب جھیلتے جھیلتے ایک دن انہیں بہت بڑے عذاب کا سامنا کرنے کے لیے پیش ہونا پڑے گا۔

اَلسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ' ان کے متبعین اور پھر منافقین کے ذکر کے بعد اب کچھ ایسے لوگوں کا ذکر ہونے جا رہا ہے جو ان دونوں انتہاؤں کے درمیان ہیں۔ ان لوگوں کا ذکر بھی دو الگ الگ درجوں میں ہوا ہے۔ ان میں پہلے جس گروہ کا ذکر آ رہا ہے وہ اگرچہ مخلص مسلمان تھے مگر اِن میں ہمت کی کمی تھی۔ چلنا بھی چاہتے تھے مگر چل نہیں پاتے تھے۔ کسی قدر چلتے بھی تھے مگر کبھی کوتاہی بھی ہو جاتی تھی۔ ہمت کر کے آگے بڑھتے تھے لیکن کبھی کسل مندی اور سستی کا غلبہ بھی ہو جاتا تھا۔

آیت ۱۰۲ ﴿وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ﴾ ''اور کچھ دوسرے لوگ ہیں جو اپنے

گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں‘‘

وہ اپنی کوتاہیوں کو چھپانے کے لیے جھوٹ نہیں بولتے‘ جھوٹی قسمیں نہیں کھاتے‘ جھوٹے بہانے نہیں بناتے‘ بلکہ کھلے عام اعتراف کر لیتے ہیں کہ ہم سے غلطی ہوگئی‘ معمولاتِ زندگی کی مصروفیات اور اہل وعیال کی مشغولیات نے ہمیں اس قدر اُلجھایا کہ ہم دینی فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کا ارتکاب کر بیٹھے۔ جب غلطی کا ایسا کھلا اعتراف ہوگیا تو نفاق کا احتمال جاتا رہا۔ لہٰذا انہیں توبہ کی توفیق مل گئی۔

﴿خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ﴾ ’’انہوں نے اچھے اور برے اعمال کو گڈمڈ کر دیا ہے۔‘‘

نیک اعمال بھی کرتے ہیں مگر کبھی کوئی غلطی بھی کر بیٹھتے ہیں۔ ایثار و انفاق بھی کرتے ہیں مگر دنیاداری کے جھمیلوں میں الجھ کر کہیں کوئی تقصیر بھی ہو جاتی ہے۔

﴿عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰۲﴾﴾ ’’امید ہے کہ اللہ ان کی توبہ کو قبول فرمائے گا۔ یقیناً اللہ بخشنے والا‘ نہایت رحم کرنے والا ہے۔‘‘

ایک روایت کے مطابق یہ آیت حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ اور ان کے چند ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ ان لوگوں سے سستی اور دنیاداری کی مصروفیات کے باعث یہ کوتاہی ہوئی کہ وہ غزوۂ تبوک پر نہ جا سکے‘ مگر جلد ہی انہیں احساس ہوگیا کہ ان سے بہت بڑی غلطی سرزد ہوگئی ہے۔ چنانچہ انہوں نے شدید احساسِ ندامت کے باعث رسول اللہ ﷺ کے واپس مدینہ تشریف لانے سے پہلے اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستونوں سے باندھ لیا کہ اب یا تو حضور ﷺ تشریف لا کر ہماری توبہ کی قبولیت کا اعلان فرمائیں گے اور ہمیں اپنے دست مبارک سے کھولیں گے یا پھر ہم یہیں بندھے بندھے اپنی جانیں دے دیں گے۔ حضور ﷺ کی واپسی پر یہ آیات نازل ہوئیں تو آپؐ نے تشریف لے جا کر انہیں کھولا اور خوشخبری سنائی کہ ان کی توبہ قبول ہوگئی ہے۔ توبہ کرنے اور توبہ کی قبولیت کا یہ وہی اصول تھا جو ہم سورۃ النساء میں پڑھ آئے ہیں: ﴿اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۷﴾﴾ یعنی کوئی غلطی یا کوتاہی سرزد ہونے کے فوراً بعد انسان کے اندر ایمانی جذبات لوٹ آئیں‘ اسے احساسِ ندامت ہو اور وہ توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ نے ایسی توبہ کو قبول کرنے کا ذمہ لیا ہے۔ مگر اِن اصحابؓ

کو یہ اعزاز نصیب ہوا کہ ان کی توبہ کی قبولیت کے بارے میں خصوصی حکم نازل ہوا۔

آیت ۱۰۳ ﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا﴾ ’’ان کے اموال میں سے صدقات قبول فرما لیجیے‘ اس (صدقے) کے ذریعے سے آپؐ انہیں پاک کریں گے اور ان کا تزکیہ کریں گے‘‘

روایت میں آتا ہے کہ یہ اصحابؓ اپنے اموال کے ساتھ خود حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے کہ توبہ کی قبولیت کے شکرانے کے طور پر ہم اللہ کی راہ میں یہ اموال پیش کرتے ہیں۔ چونکہ یہ لوگ مخلص مؤمن تھے‘ صرف سستی اور کمزوری کے باعث کوتاہی ہوئی تھی‘ اس لیے اللہ تعالیٰ نے کمال مہربانی سے آپؐ کو یہ صدقات قبول کرنے کی اجازت فرمائی۔ جبکہ منافقین کے صدقات قبول کرنے سے آپؐ کو منع فرما دیا گیا تھا۔

﴿وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ﴾ ’’اور ان کے لیے دعا کیجیے‘ یقیناً آپؐ کی دعا ان کے حق میں سکون بخش ہے۔‘‘

آپ ﷺ کی دعا ان کے لیے باعث اطمینان ہوگی اور انہیں تسلی ہو جائے گی کہ اُن کی خطا معاف ہوگئی ہے اور اُن کی توبہ قبول کی جا چکی ہے۔

﴿وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۳﴾﴾ ’’اور اللہ سب کچھ سننے والا‘ جاننے والا ہے۔‘‘

آیت ۱۰۴ ﴿اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ﴾ ’’کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور ان کے صدقات کو قبولیت عطا فرماتا ہے‘‘

یعنی اللہ کے بندوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ وہ التوّاب بھی ہے اور اپنے بندوں کے صدقات کو شرفِ قبولیت بھی بخشتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے صدقہ و خیرات وغیرہ کے مال کو اپنے لیے اور اپنی اولاد کے لیے حرام قرار دیا ہے۔ مگر اللہ کا اپنے بندوں پر یہ خاص احسان ہے کہ وہ ’’الغنی‘‘ ہے‘ بے نیاز ہے‘ اسے کسی چیز کی ضرورت نہیں‘ مگر پھر بھی وہ اپنے بندوں سے ان کے نفقات و صدقات کو قبول فرماتا ہے۔

﴿وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾﴾ ’’اور یہ کہ وہ بہت ہی توبہ قبول فرمانے والا‘ بہت رحم فرمانے والا ہے۔‘‘

آیت ۱۰۵ ﴿وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ﴾ ''اور آپؐ ان سے کہہ دیجیے کہ تم عمل کرو' اب اللہ اور اس کا رسولؐ اور اہل ایمان تمہارے عمل کو دیکھیں گے۔''

اب پھر سے محنت کرو' سرفروشی اور جاں فشانی کا مظاہرہ کرو' آئندہ تمہارے اعمال کا جائزہ لیا جائے گا کہ مطالباتِ دین کے بارے میں تمہارا کیا رویہ ہے اور یہ کہ پھر سے کوئی کوتاہی' لغزش وغیرہ تو نہیں ہونے پا رہی۔

﴿وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۱۰۵﴾

''اور عنقریب تمہیں لوٹا دیا جائے گا اُس کی طرف جو ہر غائب اور حاضر کا جاننے والا ہے' پھر وہ تمہیں بتا دے گا جو کچھ تم کرتے رہے تھے۔''

قیامت کے دن تمہیں اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونا ہے' جو تمہارے سارے کیے دھرے سے تم کو آگاہ کر دے گا۔ وہاں تمہارے سارے اعمال تمہارے سامنے پیش کر دیے جائیں گے۔ اس بارے میں سورۃ الزلزال میں یوں فرمایا گیا: ﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۷ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۸﴾ ''تو جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی وہ اسے (بچشم خود) دیکھ لے گا۔ اور جس نے ذرہ بھر برائی کی ہوگی وہ اسے (بچشم خود) دیکھ لے گا''۔ اس کے بعد وہاں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔

آیت ۱۰۶ ﴿وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۱۰۶﴾ ''اور کچھ دوسرے لوگ ہیں جن کے معاملے کو اللہ کے فیصلے تک مؤخر کر دیا گیا ہے' چاہے انہیں عذاب دے اور چاہے تو ان کی توبہ قبول فرما لے۔ اور اللہ سب کچھ جاننے والا' حکمت والا ہے۔''

یہ ضعفاء میں سے دوسری قسم کے لوگوں کا ذکر ہے' جن کا معاملہ مؤخر کر دیا گیا تھا۔ یہ تین اصحابؓ تھے: کعب بن مالک' ہلال بن اُمیہ اور مرارہ بن الربیع رضی اللہ عنہم' ان میں سے ایک صحابی حضرت کعب بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ نے اپنا واقعہ بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے جو کتب احادیث اور تفاسیر میں منقول ہے۔ مولانا مودودیؒ نے بھی تفہیم القرآن میں بخاری شریف کے حوالے سے یہ طویل حدیث نقل کی ہے۔ یہ بہت سبق آموز اور عبرت انگیز واقعہ ہے۔ اسے

پڑھنے کے بعد مدینہ کے اس معاشرے' حضور ﷺ کے زیر تربیت افراد کے اندازِ فکر اور جماعتی زندگی کے نظم و ضبط کی جو تصویر ہمارے سامنے آتی ہے وہ حیران کن بھی ہے اور ایمان افروز بھی۔

یہ تینوں حضرات سچے مسلمان تھے' مہم پر جانا بھی چاہتے تھے مگر سستی کی وجہ سے تاخیر ہوگئی اور اس طرح وہ جانے سے رہ گئے۔ حضرت کعبؓ بن مالک خود فرماتے ہیں کہ میں اس زمانے میں بہت صحت مند اور خوشحال تھا' میری اونٹنی بھی بہت توانا اور تیز رفتار تھی۔ جب سستی کی وجہ سے میں لشکر کے ساتھ روانہ نہ ہو سکا تو بھی میرا خیال تھا کہ میں آج کل میں روانہ ہو جاؤں گا اور راستے میں لشکر سے جا ملوں گا۔ میں اسی طرح سوچتا رہا اور روانہ نہ ہو سکا۔ حتیٰ کہ وقت نکل گیا اور پھر ایک دن اچانک مجھے یہ احساس ہوا کہ اب خواہ میں کتنی ہی کوشش کر لوں' لشکر کے ساتھ نہیں مل سکتا۔

جب رسول اللہ ﷺ تبوک سے واپس تشریف لائے تو آپ ﷺ نے پیچھے رہ جانے والوں کو بلا کر باز پرس شروع کی۔ منافقین آپ ﷺ کے سامنے قسمیں کھا کھا کر بہانے بناتے رہے اور آپ ﷺ ان کی باتوں کو مانتے رہے۔ جب کعبؓ بن مالک کی باری آئی تو حضور ﷺ نے اُن کو دیکھ کر تبسم فرمایا۔ ظاہر بات ہے کہ حضور ﷺ جانتے تھے کہ کعبؓ سچے مؤمن ہیں۔ آپ ﷺ نے اُن سے دریافت فرمایا کہ تمہیں کس چیز نے روکا تھا؟ انہوں نے صاف کہہ دیا کہ لوگ جھوٹی قسمیں کھا کھا کر چھوٹ گئے ہیں' اللہ نے مجھے بھی زبان دی ہے' میں بھی بہت سی باتیں بنا سکتا ہوں' مگر حقیقت یہ ہے کہ مجھے کوئی عذر مانع نہیں تھا۔ میں ان دنوں جتنا صحت مند تھا اتنا پہلے کبھی نہ تھا' جتنا غنی اور خوشحال تھا پہلے کبھی نہ تھا۔ مجھے کوئی عذر مانع نہیں تھا سوائے اس کے کہ شیطان نے مجھے ورغلایا اور تاخیر ہوگئی۔ ان کے باقی دو ساتھیوں نے بھی اسی طرح سچ بولا اور کوئی بہانہ نہ بنایا۔

ان تینوں حضرات کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے حکم دیا کہ کوئی شخص ان تینوں سے بات نہ کرے اور یوں ان کا مکمل طور پر معاشرتی مقاطعہ (social boycott) ہو گیا' جو پورے پچاس دن جاری رہا۔ حضرت کعبؓ فرماتے ہیں اس دوران ایک دن انہوں نے اپنے چچازاد بھائی اور بچپن کے دوست سے بات کرنا چاہی تو اس نے بھی جواب نہ دیا۔ جب انہوں نے اس سے کہا کہ اللہ کے بندے تمہیں تو معلوم ہے کہ میں منافق نہیں ہوں تو اس نے جواب

میں صرف اتنا کہا کہ اللہ اور اس کا رسولؐ ہی بہتر جانتے ہیں۔ چالیس دن بعد حضور ﷺ کے حکم پر انہوں نے ابھی بیوی کو بھی علیحدہ کر دیا۔ اسی دوران والیٔ غسان کی طرف سے انہیں ایک خط بھی ملا' جس میں لکھا تھا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ کے ساتھی آپ پر ظلم ڈھا رہے ہیں' آپ باعزت آدمی ہیں' آپ ایسے نہیں ہیں کہ آپ کو ذلیل کیا جائے' لہٰذا آپ ہمارے پاس آ جائیں 'ہم آپ کی قدر کریں گے اور اپنے ہاں اعلیٰ مراتب سے نوازیں گے۔ یہ بھی ایک بہت بڑی آزمائش تھی' مگر انہوں نے وہ خط تنور میں جھونک کر شیطان کا یہ وار بھی ناکام بنا دیا۔ ان کی اس سزا کے پچاسویں دن ان کی معافی اور توبہ کی قبولیت کے بارے میں حکم نازل ہوا (آیت ۱۱۸) اور اس طرح اللہ نے انہیں اس آزمائش اور ابتلا میں سرخرو فرمایا۔ بائیکاٹ کے اختتام پر ہر فرد کی طرف سے ان حضرات کے لیے خلوص و محبت کے جذبات کا جس طرح سے اظہار ہوا اور پھر ان تینوں اصحابؓ نے اپنی آزمائش اور ابتلا کے دوران اخلاص و استقامت کی داستان جس خوبصورتی سے رقم کی' یہ ایک دینی جماعتی زندگی کی مثالی تصویر ہے۔

آیت ۱۰۷ ﴿وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًۢا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ﴾ ''اور وہ لوگ جنہوں نے ایک مسجد بنائی ہے ضرر (نقصان) اور کفر کے لیے اور اہل ایمان میں تفریق پیدا کرنے کے لیے اور ان لوگوں کو گھات فراہم کرنے کے لیے جو پہلے سے اللہ اور اس کے رسولؐ سے جنگ کر رہے ہیں۔''

ضِرَارًا بابِ مفاعلہ ہے' یعنی انہوں نے مسجد بنائی ہے ضدم ضدا' مقابلے میں اور دعوتِ حق کو نقصان پہنچانے کے لیے۔ یہ مسجد منافقین نے مسجد قبا کے قریبی علاقے میں بنائی تھی۔ اس کی تعمیر کے پیچھے ابو عامر راہب کا ہاتھ تھا۔ اس شخص کا تعلق قبیلہ خزرج سے تھا۔ وہ زمانۂ جاہلیت میں عیسائیت قبول کر کے راہب بن گیا تھا اور عرب میں اہلِ کتاب کے بہت بڑے عالم کے طور پر جانا جاتا تھا۔ جیسا کہ ورقہ بن نوفل' جو قرشی تھے اور انہوں نے بھی بت پرستی چھوڑ کر عیسائیت اختیار کر لی تھی' اور اپنے زمانے کے اتنے بڑے عالم تھے کہ تورات عبرانی زبان میں لکھا کرتے تھے۔ وہ بہت نیک اور سلیم الفطرت انسان تھے۔ جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کو لے کر اُن کے پاس گئیں تو انہوں نے آپ ﷺ کی تصدیق کی اور بتایا کہ آپ ﷺ کے پاس وہی ناموس آیا ہے جو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ (علیہما السلام) کے پاس آتا

تھا۔ انہوں نے تو یہاں تک کہا تھا کہ کاش میں اس وقت تک زندہ رہوں جب آپ کی قوم آپ کو یہاں سے نکال دے گی۔ حضور ﷺ نے جب حیرت سے پوچھا کہ کیا یہ لوگ مجھے یہاں سے نکال دیں گے؟ تو انہوں نے بتایا کہ ہاں! معاملہ ایسا ہی ہے' آپ کی دعوت کے نتیجے میں آپ کی قوم آپ کی دشمن بن جائے گی۔

مگر ابو عامر راہب کا رویہ اس کے برعکس تھا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کا شدید ترین دشمن بن گیا۔ قریش مکہ کی بدر میں شکست کے بعد یہ شخص مکہ میں جا کر آباد ہو گیا اور اہل مکہ کو حضور ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف اُکساتا رہا۔ چنانچہ غزوۂ اُحد کے پیچھے بھی اسی شخص کی سازشیں کارفرما تھیں' بلکہ میدانِ اُحد میں جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو اس نے لشکر سے باہر نکل کر انصارِ مدینہ کو خطاب کر کے انہیں ورغلانے کی کوشش بھی کی تھی۔ اس کے بعد بھی تمام جنگوں میں یہ مسلمانوں کے خلاف برسرِ پیکار رہا' مگر حنین کی جنگ کے بعد جب اسے محسوس ہوا کہ اب جزیرہ نمائے عرب میں اس کے لیے کوئی جگہ نہیں رہی تو وہ مایوس ہو کر شام چلا گیا اور وہاں جا کر بھی مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں مصروف رہا۔ اس کے لیے اس نے منافقین مدینہ کے ساتھ مسلسل رابطہ رکھا اور اسی کے کہنے پر منافقین نے مسجدِ ضرار تعمیر کی جو نام کو تو مسجد تھی مگر حقیقت میں سازشی عناصر کی کمین گاہ اور فتنے کا ایک مرکز تھی۔

﴿وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝۱۰۷﴾ ''اور وہ قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ ہم نے تو نیکی ہی کا ارادہ کیا تھا' مگر اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ بالکل جھوٹے ہیں۔''

اب جواب طلبی پر یہ منافقین قسمیں کھا کھا کر اپنی صفائی پیش کرنے کی کوشش کریں گے کہ ہماری کوئی بری نیت نہیں تھی' ہمارا ارادہ تو نیکی اور بھلائی ہی کا تھا' اصل میں دوسری مسجد ذرا دور پڑتی تھی جس کی وجہ سے ہم تمام نمازیں جماعت کے ساتھ ادا نہیں کر سکتے تھے' اس لیے ہم نے سوچا کہ اپنے محلے میں ایک مسجد بنا لیں تا کہ تمام نمازیں آسانی سے باجماعت ادا کر سکیں' وغیرہ وغیرہ۔

آیت ۱۰۸ ﴿لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) آپ اس میں کبھی کھڑے نہ ہوں۔''

مسجد بنانے کے بعد یہ منافقین حضور ﷺ کے پاس یہ درخواست لے کر آئے تھے کہ آپؐ مسجد میں تشریف لے آئیں تو بڑی برکت ہو گی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو بروقت روک دیا کہ

آپؐ وہاں تشریف نہ لے جائیں۔

﴿لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ﴾ ''یقیناً وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن سے ہی تقویٰ پر رکھی گئی تھی' وہ زیادہ مستحق ہے کہ آپؐ اس میں کھڑے ہوں (نماز پڑھیں)۔''

اس سے مراد مسجد قبا ہے جو قریب ہی تھی اور جس کی بنیاد رسول اللہ ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے رکھی تھی۔ یہ مقام اس وقت کے مدینہ کی آبادی سے تین میل کے فاصلے پر تھا۔ جب آپ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو یہ آپؐ کا پہلا پڑاؤ تھا۔ آپؐ نے اس مقام پر قیام فرمایا تھا اور یہاں اس مسجد کی بنیاد رکھی تھی۔

﴿فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾﴾ ''اس میں وہ لوگ ہیں جو پسند کرتے ہیں کہ وہ بہت پاک رہیں۔ اور اللہ ایسے لوگوں کو پسند کرتا ہے جو بہت زیادہ پاک رہتے ہیں۔''

مسجد قبا والے مسلمانوں سے پوچھا گیا کہ آپ لوگوں کے کس عمل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کی طہارت کی تعریف فرمائی ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم لوگ قضائے حاجت کے بعد ڈھیلے بھی استعمال کرتے ہیں اور پھر پانی سے بھی طہارت حاصل کرتے ہیں۔ چنانچہ عام طور پر یہی سمجھا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں طہارت کے اس معیار کی تعریف فرمائی ہے۔

آیت ۱۰۹ ﴿اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ﴾ ''تو کیا بھلا جس نے اپنی عمارت کی بنیاد رکھی ہو اللہ کے تقویٰ اور اس کی رضا پر' وہ بہتر ہے''

﴿اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ﴾ ''یا وہ کہ جس نے اپنی تعمیر کی بنیاد رکھی ایک ایسی کھائی کے کنارے پر جو گرا چاہتی ہے' تو وہ اس کو لے کر گر گئی جہنم میں؟''

یعنی جب انسان کوئی عمارت تعمیر کرنا چاہتا ہے تو اس کے لیے کسی مضبوط اور ٹھوس جگہ کا انتخاب کرتا ہے۔ اگر وہ کسی کھوکھلی جگہ پر یا کسی کھائی وغیرہ کے کنارے پر عمارت تعمیر کرے گا تو جلد یا بدیر وہ عمارت گر کر ہی رہے گی۔ دراصل یہ منافقین کی تدبیروں اور سازشوں کی مثال دی گئی ہے کہ ان کی مثال ایسی ہے جیسے وہ جہنم کی گہری کھائی کے کنارے پر اپنی عمارتیں تعمیر کر رہے

ہوں' چنانچہ وہ کنارہ بھی گر کر رہے گا اور خود ان کو اور ان کی تعمیرات کو بھی جہنم میں گرائے گا۔

﴿وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾﴾ ''اور اللہ ایسے ظالم لوگوں کو راہ یاب نہیں کرتا۔''

آیت ۱۱۰ ﴿لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾﴾ ''یہ عمارت جو انہوں نے بنائی ہے ان کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا کیے رکھے گی' اِلا یہ کہ ان کے دلوں کے ٹکڑے کر دیے جائیں۔ اور اللہ سب کچھ جاننے والا' حکمت والا ہے۔''

ان منافقین کے دلوں کے اندر منافقت کی جڑیں اتنی گہری جا چکی ہیں کہ اس کے اثرات کا زائل ہونا اب ممکن نہیں رہا۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ اگر کسی کے پورے جسم میں کینسر پھیل چکا ہو تو معمولی آپریشن کرنے سے وہ ٹھیک نہیں ہو سکتا' کیونکہ کینسر کے اثرات تو جسم کے ایک ایک ریشے میں سرایت کر چکے ہیں۔ اب اگر سارے جسم کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے تب شاید اس کی جڑوں کو نکالنا ممکن ہو۔ لہٰذا ان منافقین کے دل ہمیشہ شکوک و شبہات کے اندھیروں میں ہی ڈوبے رہیں گے' انہیں ایمان و یقین کی روشنی کبھی نصیب نہیں ہو گی' اِلا یہ کہ ان کے دل ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جائیں۔

اب اگلی دو آیات میں بہت اہم مضمون آ رہا ہے۔

آیات ۱۱۱' ۱۱۲

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ
يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۣ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي
التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا
بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۱﴾ اَلتَّآئِبُوْنَ
الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ
بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ
الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾

آیت ۱۱۱ ﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ﴾ ''یقیناً اللہ نے خرید لی ہیں اہل ایمان سے ان کی جانیں بھی اور ان کے مال بھی اس قیمت پر کہ ان کے لیے جنت ہے۔''

یہ دوطرفہ سودا ہے جو ایک صاحبِ ایمان بندے کا اپنے رب کے ساتھ ہو جاتا ہے۔ بندہ اپنے جان و مال بیچتا ہے اور اللہ اس کے جان و مال کو جنت کے عوض خرید لیتا ہے۔

﴿یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ ۣ﴾ ''وہ جنگ کرتے ہیں اللہ کی راہ میں' پھر قتل کرتے بھی ہیں اور قتل ہوتے بھی ہیں۔''

جیسے جنگ بدر میں مسلمانوں نے ستّر کافروں کو جہنم رسید کیا' اور میدانِ اُحد میں ستّر اہلِ ایمان شہید ہو گئے۔

﴿وَعْدًا عَلَیْهِ حَقًّا فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ﴾ ''یہ وعدہ اللہ کے ذمے ہے سچا' تورات' انجیل اور قرآن میں۔''

یہاں بین السطور میں دراصل یہ یقین دہانی کرائی گئی ہے کہ یہ سودا اگرچہ ادھار کا سودا ہے مگر یہ ایک پختہ عہد ہے جس کو پورا کرنا اللہ کے ذمہ ہے۔ اس لیے اس کے بارے میں کوئی وسوسہ تمہارے دلوں میں نہ آنے پائے۔ دراصل یہ اس سوچ کا جواب ہے جو طبع بشری کی کمزوری کے سبب انسانی ذہن میں آتی ہے۔ انسان کو بنیادی طور پر ''نونقد نہ تیرہ ادھار'' والا فلسفہ ہی اچھا لگتا ہے کہ کامیاب سودا تو وہی ہوتا ہے جو ایک ہاتھ دو اور دوسرے ہاتھ لو کے اصول کے مطابق ہو۔ مگر یہاں تو دُنیوی زندگی میں سب کچھ قربان کرنے کی ترغیب دی جا رہی ہے اور اس کے انعام کے لیے وعدۂ فردا کا انتظار کرنے کو کہا جا رہا ہے کہ اس قربانی کا انعام مرنے کے بعد آخرت میں ملے گا۔ لہٰذا ایک عام انسان اس ''جنّتِ موعودہ'' کا ہلکا سا تصور ہی اپنے ذہن میں لا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں یقین کی پختگی تو صرف خواص کو ہی نصیب ہوتی ہے۔ چنانچہ اہل ایمان کو ادھار کے اس سودے پر اطمینان دلایا جا رہا ہے کہ اللہ کی طرف سے اس وعدے کی توثیق تین دفعہ ہو چکی ہے' تورات میں' انجیل میں اور پھر قرآن مجید میں بھی۔

﴿وَمَنْ اَوْفٰی بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِكُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۱۱۱﴾﴾ ''اور اللہ سے بڑھ کر اپنے عہد کو وفا کرنے والا کون ہے؟ پس خوشیاں مناؤ اپنی اس بیع پر جس کا سودا تم نے اس کے ساتھ کیا ہے۔ اور یہی ہے بڑی کامیابی۔''

بَایَعْتُمْ بِهٖ یعنی آپس میں جو سودا تم نے کیا۔ مبایعت بابِ مفاعلہ بَایَعَ یُبَایِعُ (آپس میں سودا کرنا) ثلاثی مجرد بَاعَ یَبِیْعُ (بیچنا) سے ہے۔ یہیں سے لفظ ''بیعت'' نکلا ہے۔ ایک بندہ جو بیعت کرتا ہے اس میں وہ اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کرتا ہے۔ لہٰذا حضور ﷺ کے ہاتھ پر صحابہؓ نے جو بیعت کی' اس کا مطلب یہی تھا کہ انہوں نے خود کو اللہ کے سپرد کر دیا۔ اللہ تو چونکہ سامنے موجود نہیں تھا اس لیے بظاہر یہ بیعت حضور ﷺ کے ہاتھ مبارک پر ہوئی تھی' مگر اللہ نے اسے اپنی طرف منسوب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے نبی (ﷺ) جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں دراصل وہ اللہ سے ہی بیعت کرتے ہیں اور وقت بیعت ان کے ہاتھوں کے اوپر ایک تیسرا غیر مرئی ہاتھ اللہ کا بھی موجود ہوتا ہے۔ (الفتح:۱۰)

یہ سودا اور یہ بیع جس کا ذکر آیت زیر نظر میں ہوا ہے ایمان کا لازمی تقاضا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم میں سے ہر ایک کو یہ سودا کرنے کی توفیق عطا فرمائے کہ ہم اللہ کے ہاتھ اپنی جانیں اور اپنے اموال بیچ دیں۔ اب اس سودے کے اثرات عملی طور پر جب انسانی شخصیت پر مترتب ہوں گے تو اس میں سے اعمالِ صالحہ کا ظہور ہوگا۔ لہٰذا اس کیفیت کا نقشہ آئندہ آیت میں کھینچا گیا ہے۔

آیت ۱۱۲ ﴿اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ﴾ ''توبہ کرنے والے' (اللہ کی) بندگی کرنے والے' (اللہ کی) حمد کرنے والے' دُنیوی آسائشوں سے لاتعلق رہنے والے' رکوع کرنے والے' سجدہ کرنے والے''

'سَائِحُوْنَ' کا معنی ہے ''سیاحت کرنے والے''۔ لیکن اس سے مراد محض سیر و سیاحت نہیں بلکہ عبادت و ریاضت کے لیے گھر بار چھوڑ کر نکل کھڑے ہونا ہے۔ پچھلی اُمتوں میں روحانی ترقی کے لیے لوگ لذاتِ دنیوی کو ترک کر کے اور انسانی آبادیوں سے لاتعلق ہو کر جنگلوں میں چلے جاتے تھے اور رہبانیت اختیار کر لیتے تھے' مگر ہمارے دین میں ایسی سیاحت اور رہبانیت کی اجازت نہیں۔ چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا: ((لَا رَهْبَانِیَّةَ فِی الْاِسْلَامِ وَلَا سِیَاحَةَ))(۱) ''اسلام میں نہ رہبانیت ہے نہ سیاحت''۔ سابقہ ادیان کے برعکس اسلام نے سیاحت اور رہبانیت کا جو تصور متعارف کرایا ہے اس کے لیے ابوامامہ باہلی ؓ سے مروی یہ حدیث ملاحظہ کیجیے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اِنَّ لِكُلِّ اُمَّةٍ سِیَاحَةً وَاِنَّ سِیَاحَةَ اُمَّتِی الْجِهَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ، وَاِنَّ لِكُلِّ

(۱) فتح الباری لابن رجب: ۱۰۲/۱۔ ومراسیل ابی داؤد: ۲۸۷۔

أُمَّةٍ رَهْبَانِيَّةٌ وَرَهْبَانِيَّةُ أُمَّتِي الرِّبَاطُ فِيْ نُحُوْرِ الْعَدُوِّ))(١)

''ہر اُمت کے لیے سیاحت کا ایک طریقہ تھا اور میری اُمت کی سیاحت جہاد فی سبیل اللہ ہے' اور ہر اُمت کی ایک رہبانیت تھی' جبکہ میری اُمت کی رہبانیت دشمن کے سامنے ڈٹ کر کھڑے ہونا ہے۔''

ایک صحابیؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ' مجھے سیاحت کی اجازت دیجیے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ سِيَاحَةَ أُمَّتِي الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ))(٢)

گویا ہماری اُمت کے لیے 'سیاحت' کا اطلاق جہاد وقتال کے لیے گھر سے نکلنے اور اس راستے میں صعوبتیں اٹھانے پر ہوگا۔

یہ چھ اوصاف جو اوپر گنوائے گئے ہیں ان کا تعلق انسانی شخصیت کے نظریاتی پہلو سے ہے۔ اب اس کے بعد تین ایسی خصوصیات کا ذکر ہونے جا رہا ہے جو انسان کی عملی جدوجہد سے متعلق ہیں اور دعوت وتحریک کی صورت میں معاشرے پر اثر انداز ہوتی ہیں۔

﴿الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١١٢﴾﴾ ''نیکی کا حکم دینے والے' بدی سے روکنے والے' اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے۔ اور (اے نبی ﷺ) آپ ان اہلِ ایمان کو بشارت دے دیجیے۔''

امر بالمعروف گویا دین کے لیے عملی جدّوجہد کا نقطہ آغاز ہے۔ یہ جدوجہد جب آگے بڑھ کر نہی عن المنکر بالید کے مرحلے تک پہنچتی ہے تو پھر اِن خدائی فوجداروں کی ضرورت پڑتی ہے جن کو یہاں ﴿وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ﴾ کا لقب دیا گیا ہے۔ یہ لوگ اگر پوری طرح منظّم ہوں تو اپنی تنظیمی طاقت کے بل پر کھڑے ہو کر اعلان کریں کہ اب ہم اپنے معاشرے میں منکرات کا سکہ نہیں چلنے دیں گے اور کسی کو اللہ کی حدود کو توڑنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ اللّٰھم ربَّنَا اجْعَلْنَا مِنْهُمْ! منہجِ انقلاب نبوی ﷺ میں اس مرحلے کے ضمن میں آج اجتہاد کی ضرورت ہے کہ موجودہ حالات میں نہی عن المنکر بِالیَد کے لیے اجتماعی اور منظّم جدوجہد کی صورت کیا ہوگی۔

---

(١) مجمع الزوائد للهيثمي : ٢٨١/٥۔ والجامع الصغير للسيوطي' ح :٢٤٠٨۔

(٢) سنن ابی داوٗد' کتاب الجهاد' باب فی النهی عن السياحة۔ وصحيح الجامع للالبانی' ح:٢٠٩٣۔

آیات ١١٣ تا ١١٨

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ
قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿١١٣﴾ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ
اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ
تَبَرَّاَ مِنْهُ ؕ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ﴿١١٤﴾ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًاۢ بَعْدَ اِذْ
هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿١١٥﴾ اِنَّ اللّٰهَ
لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ
وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿١١٦﴾ لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ
اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ
تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿١١٧﴾ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ
حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ
وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ
التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿١١٨﴾

آیت ١١٣ ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى﴾ ''نبیؐ اور اہل ایمان کے لیے یہ روا نہیں کہ وہ استغفار کریں مشرکین کے لیے خواہ وہ ان کے قرابت دار ہی ہوں''

﴿مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿١١٣﴾﴾ ''اس کے بعد جبکہ ان پر واضح ہو چکا کہ وہ لوگ جہنمی ہیں۔''

آیت ١١٤ ﴿وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ﴾ ''اور نہیں تھا استغفار کرنا ابراہیمؑ کا اپنے والد کے حق میں مگر ایک وعدے کی بنیاد پر جو انہوں نے اس سے کیا تھا۔''

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد نے آپؑ کو گھر سے نکالا تھا تو جاتے ہوئے آپؑ نے یہ

وعدہ کیا تھا' اس وعدے کا ذکر سورۂ مریم میں اس طرح کیا گیا ہے: ﴿سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا﴾ ''میں اپنے رب سے آپ کے لیے بخشش کی درخواست کروں گا' بے شک وہ مجھ پر بڑا مہربان ہے۔''

﴿فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ۭ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ﴾ ''اور جب آپؑ پر واضح ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو آپؑ نے اس سے اعلانِ بیزاری کر دیا۔ یقیناً ابراہیمؑ بہت دردِ دل رکھنے والے اور حلیم الطبع تھے۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام وعدے کے مطابق اپنے والد کی زندگی میں اس کے لیے دعا کرتے رہے کہ جب تک وہ زندہ تھا تو امید تھی کہ شاید اللہ تعالیٰ اسے ہدایت کی توفیق دے دے' لیکن جب اس کی موت واقع ہو گئی تو آپؑ نے استغفار بند کر دیا کہ زندگی میں جب وہ کفر پر ہی اڑا رہا اور اسی حالت میں اس کی موت واقع ہو گئی تو ثابت ہو گیا کہ اب اس کے لیے توبہ کا دروازہ بند ہو گیا ہے۔

آیت ۱۱۵ ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًۢا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ۭ﴾ ''اور اللہ کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ کسی قوم کو گمراہ کر دے اس کے بعد کہ انہیں ہدایت دی ہو جب تک اُن پر واضح نہ کر دے کہ انہیں کس چیز سے بچنا ہے۔''

یہ گویا معافی کا اعلان ہے اُن لوگوں کے لیے جو اس حکم کے نازل ہونے سے پہلے اپنے مشرک والدین یا رشتہ داروں کے لیے دعا کرتے رہے تھے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ ''یقیناً اللہ ہر شے کا جاننے والا ہے۔''

آیت ۱۱۶ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۭ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ﴾ ''یقیناً اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی۔ وہی زندہ رکھتا ہے اور وہی موت دیتا ہے۔ اور تمہارے لیے اللہ کے سوا نہیں ہے کوئی حمایتی اور نہ کوئی مددگار۔''

آیت ۱۱۷ ﴿لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَي النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ﴾ ''اللہ مہربان ہوا نبی (ﷺ) پر' اور مہاجرین و انصار پر بھی' جنہوں نے آپ کا اتباع کیا (ساتھ دیا) مشکل وقت میں''

یہ تبوک کی مہم کی طرف اشارہ ہے۔ تاریخ میں یہ مہم ''جیش العُسرۃ'' کے نام سے مشہور

ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب خشک سالی کے باعث مدینہ میں قحط کا سماں تھا۔ ان حالات میں اتنے بڑے لشکر کا اتنی لمبی مسافت پر وقت کی سپر پاور سے نبرد آزما ہونے کے لیے جانا واقعی بہت بڑی آزمائش تھی۔ جو لوگ اس آزمائش میں ثابت قدم رہے' یہ ان کے لیے رحمت و شفقت کا ایک اعلانِ عام ہے۔

﴿مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ﴾ ''اس کے بعد کہ ان میں سے ایک گروہ کے دل میں کچھ کجی آنے لگی تھی''

بر بنائے طبع بشری کہیں نہ کہیں' کبھی نہ کبھی انسان میں کچھ کمزوری آ ہی جاتی ہے۔ جیسے غزوۂ اُحد میں بھی دو مسلمان قبائل بنو حارثہ اور بنو سلمہ کے لوگوں کے دلوں میں عارضی طور پر تھوڑی سے کمزوری آ گئی تھی۔

﴿ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ ''پھر اللہ نے ان پر نظرِ رحمت فرمائی۔ یقیناً وہ ان کے حق میں بہت مہربان' رحم فرمانے والا ہے۔''

آیت ۱۱۸ ﴿وَّعَلَي الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ۭ﴾ ''اور ان تین پر بھی (اللہ نے رحمت کی نگاہ کی) جن کا معاملہ مؤخر کر دیا گیا تھا۔''

یہ تین صحابہ کعبؓ بن مالک' ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہم کے لیے اعلانِ معافی ہے۔ ان تین اصحابؓ کا ذکر آیت ۱۰۶ میں ہوا تھا اور وہاں ان کے معاملے کو مؤخر کر دیا گیا تھا۔ پچاس دن کے معاشرتی مقاطعہ کی سزا کے بعد ان کی معافی کا بھی اعلان کر دیا گیا اور انہیں اس حکم کی صورت میں قبولیتِ توبہ کی سند عطا ہوئی۔

﴿حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ۭ﴾ ''یہاں تک کہ زمین اپنی تمام تر کشادگی کے باوجود ان پر تنگ پڑ گئی اور ان پر اپنی جانیں بھی بوجھ بن گئیں اور انہیں یقین ہو گیا کہ اللہ کے سوا کوئی اور جائے پناہ ہے ہی نہیں۔''

یہ ایسی کیفیت ہے کہ کوئی بچہ ماں سے پٹتا ہے مگر اس کے بعد اسی سے لپٹتا ہے۔ اللہ کے بندوں پر بھی اگر اللہ کی طرف سے سختی آتی ہے' کوئی سزا ملتی ہے تو نہ صرف وہ اس سختی کو خوش دلی اور صبر سے برداشت کرتے ہیں' بلکہ پناہ کے لیے رجوع بھی اسی کی طرف کرتے ہیں' کیونکہ

انہیں یقین ہوتا ہے کہ انہیں پناہ ملے گی تو اسی کے حضور ملے گی‘ ان کے دکھوں کا مداوا ہوگا تو اسی کی جناب سے ہوگا۔ علامہ اقبالؔ نے اس حقیقت کو کیسے خوبصورت الفاظ کا جامہ پہنایا ہے:؎

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی‘ جو اماں ملی تو کہاں ملی
مرے جرمِ خانہ خراب کو‘ ترے عفوِ بندہ نواز میں

﴿ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝۱۱۸﴾ ’’تو اُس نے ان کی توبہ قبول فرمائی تاکہ وہ بھی پھر متوجہ ہو جائیں۔ یقیناً اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا‘ بہت زیادہ رحم کرنے والا ہے۔‘‘

تاکہ وہ اللہ سے اپنے تعلق کو مضبوط کر لیں اور اپنی کمزوریوں اور کوتاہیوں کو دور کر لیں۔

آیات ۱۱۹ تا ۱۲۲

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـــُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَاۗفَّةً ۭ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَاۗىِٕفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ۝

آیت ۱۱۹ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۱۱۹﴾ ’’اے اہلِ ایمان! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور سچے لوگوں کی معیت اختیار کرو۔‘‘

یہ گویا جماعتی زندگی اختیار کرنے کا حکم ہے۔ نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنے اور جماعتی زندگی سے منسلک رہنے کے بہت سے فوائد اور بہت سی برکتیں ہیں‘ جیسا کہ اس سے پہلے ہم

سورۃ الانعام کی آیت ۷۱ میں پڑھ آئے ہیں: ﴿لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ۭ﴾۔ جماعتی زندگی دراصل ایک قافلے کی مانند ہے۔ قافلے میں دورانِ سفر اگر کسی ساتھی کی ہمت جواب دے رہی ہو یا کوئی معذوری آڑے آ رہی ہو تو دوسرے ساتھی اسے سہارا دینے‘ ہاتھ پکڑنے اور ہمت بندھانے کے لیے موجود ہوتے ہیں۔

آیت ۱۲۰ ﴿مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ﴾ ’’اہلِ مدینہ اور ان کے اردگرد کے بدّو لوگوں کے لیے روا نہیں تھا کہ وہ اللہ کے رسول (ﷺ) کو چھوڑ کر پیچھے بیٹھ رہتے اور نہ یہ کہ اپنی جانوں کو آپؐ کی جان سے بڑھ کر عزیز رکھتے۔‘‘

غزوۂ تبوک کے لیے نکلتے ہوئے مدینہ کے ماحول میں ’’تپتی راہیں مجھ کو پکاریں‘ دامن پکڑے چھاؤں گھنیری‘‘ والا معاملہ تھا۔ لہٰذا جب اللہ کے رسول ﷺ ان تپتی راہوں کی طرف کوچ فرما رہے تھے تو کسی ایمان کے دعویدار کو یہ زیب نہیں دیتا تھا کہ وہ آپؐ کا ساتھ چھوڑ کر پیچھے رہ جائے‘ آپؐ کی جان سے بڑھ کر اپنی جان کی عافیت کی فکر کرے اور آپؐ کے سفر کی صعوبتوں پر اپنی آسائشوں کو ترجیح دے۔

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـــُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ۭ﴾ ’’یہ اس لیے کہ انہیں پیاس‘ مشقت اور فاقے کی (صورت میں) جو بھی تکلیف پہنچتی ہے اللہ کی راہ میں‘ اور جہاں کہیں بھی وہ قدم رکھتے ہیں کفار (کے دلوں) کو جلاتے ہوئے اور دشمن کے مقابلے میں کوئی بھی کامیابی حاصل کرتے ہیں‘ تو اُن کے لیے اس (سب کچھ) کے عوض نیکیوں کا اندراج ہوتا رہتا ہے۔‘‘

اہل ایمان جب اللہ کے راستے میں نکلتے ہیں تو ان کی ہر مشقت اور ہر تکلیف کے عوض اللہ تعالیٰ ان کے نیکیوں کے ذخیرہ میں مسلسل اضافہ فرماتے رہتے ہیں۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۱۲۰﴾ ’’یقیناً اللہ نیک لوگوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔‘‘

آیت ۱۲۱ ﴿وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ

لَهُمْ﴾ ''اور جو بھی وہ خرچ کرتے ہیں کوئی نفقہ' چھوٹا ہو یا بڑا اور طے کرتے ہیں کوئی وادی تو (ان کا ایک ایک عمل) اُن کے لیے لکھ لیا جاتا ہے''

﴿لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴿۱۲۱﴾﴾ ''تا کہ اللہ بدلہ دے انہیں بہت ہی عمدہ اس کا جو عمل وہ کرتے رہے۔''

آیت ۱۲۲ ﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ؕ﴾ ''اور اہل ایمان کے لیے یہ تو ممکن نہیں ہے کہ وہ سب کے سب نکل آئیں۔''

مدینہ کے مضافات میں بسنے والے بدو قبائل کا تذکرہ پچھلی آیات میں ہو چکا ہے: ﴿اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا .....﴿۹۷﴾﴾ یہ بدو لوگ کفر اور نفاق میں بہت زیادہ سخت تھے اور اس کا سبب علم دین سے ان کی ناواقفیت تھی۔ اس لیے کہ انہیں حضور ﷺ کی صحبت سے فیض یاب ہونے کا موقع نہیں مل رہا تھا۔ اب اس کے لیے یہ تو ممکن نہیں تھا کہ سارے بادیہ نشین لوگ اپنی اپنی آبادیاں چھوڑتے اور مدینہ میں آ کر آباد ہو جاتے۔ چنانچہ یہاں اس مسئلہ کا حل بتایا جا رہا ہے۔

﴿فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ﴾ ''تو ایسا کیوں نہ ہوا کہ نکلتا ان کی ہر جماعت میں سے ایک گروہ تا کہ وہ دین کا فہم حاصل کرتے''

یہاں اس مشکل کا حل یہ بتایا گیا کہ ہر علاقے اور ہر قبیلے سے چند لوگ آئیں اور صحبتِ نبوی ﷺ سے فیض یاب ہوں۔

﴿وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ﴿۱۲۲﴾﴾ ''اور وہ اپنے لوگوں کو خبردار کرتے جب ان کی طرف واپس لوٹتے تا کہ وہ بھی نافرمانی سے بچتے۔''

یہاں اس سلسلے میں باقاعدہ ایک نظام وضع کرنے کی ہدایت کر دی گئی کہ مختلف علاقوں سے قبائل کے نمائندے آئیں' مدینہ میں قیام کریں' رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں رہیں' اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کی تربیت سے استفادہ کریں' احکامِ دین کو سمجھیں اور پھر اپنے اپنے علاقوں میں واپس جا کر اس تعلیم کو عام کریں۔

آیات ۱۲۳ تا ۱۲۹

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ

غِلْظَةً ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ﴿۱۲۳﴾ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ﴿۱۲۴﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ﴿۱۲۵﴾ اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ﴿۱۲۶﴾ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ ؕ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا ؕ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ﴿۱۲۷﴾ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴿۱۲۸﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ﴿۱۲۹﴾ۧ

آیت ۱۲۳ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ؕ﴾ ''اے اہل ایمان! جنگ کرو ان کافروں سے جو تم سے قریب ہیں اور وہ تمہارے اندر سختی پائیں۔''

اس حکم میں اشارہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی دعوت کے بین الاقوامی اور آفاقی دور کا آغاز ہو چکا ہے' اب اس دعوت کو چہار سُو پھیلنا ہے اور دارالاسلام کی سرحدوں کو وسیع ہونا ہے۔ چنانچہ حکم دیا جا رہا ہے کہ اسلامی حکومت کی سرحدوں پر جو کفار بستے ہیں ان سے قتال کرو' اور جیسے جیسے یہ سرحدیں آگے بڑھتی جائیں تمہارے قتال کا سلسلہ بھی اُن کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتا چلا جائے' حتیٰ کہ اللہ کا دین پوری دنیا پر غالب آ جائے۔ جیسے سورۃ الانفال میں جزیرہ نمائے عرب کی حد تک قتال جاری رکھنے کا حکم ہوا تھا: ﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ﴾ (آیت ۳۹) یعنی جب تک جزیرہ نمائے عرب سے کفر و شرک کا خاتمہ نہیں ہو جاتا اور اللہ کا دین اس پورے علاقے میں غالب نہیں ہو جاتا یہ جنگ جاری رہے گی۔ بہرحال آیت زیر نظر میں غلبۂ دین کے لیے بین الاقوامی سطح پر جدوجہد کے لیے اللہ کا واضح حکم موجود ہے اور اس سلسلے میں اسلام کا چارٹر بھی۔ اسی پر عمل کرتے ہوئے جزیرہ نمائے عرب سے اسلامی افواج جہاد کے لیے نکلی تھیں اور پھر اسلامی سرحدوں کا دائرہ وسیع ہوتا گیا تھا۔

﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ﴾ ''اور جان لو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے۔''

آیت ۱۲۴ ﴿وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا﴾ ''اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو ان میں سے بعض (منافقین آپس میں) کہتے ہیں کہ اس نے تم میں سے کس کے ایمان میں اضافہ کیا؟''

اس سے پہلے سورۃ الانفال (آیت ۲) میں اہل ایمان کا ذکر اس حوالے سے ہو چکا ہے کہ جب ان کو اللہ کی آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ان کے ایمان میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ منافقین اس پر طنز اور استہزاء کرتے تھے اور جب بھی کوئی تازہ وحی نازل ہوتی تو اس کا تمسخر اڑاتے ہوئے ایک دوسرے سے پوچھتے کہ ہاں بھئی اس سورت کو سن کر کس کس کے ایمان میں اضافہ ہوا ہے؟

﴿فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ﴾ ''تو جو لوگ واقعی ایمان والے ہیں وہ ان کے ایمان میں تو یقیناً اضافہ کرتی ہے اور وہ خوشیاں مناتے ہیں۔''

اللہ کا کلام سن کر حقیقی مؤمنین کے ایمان میں یقیناً اضافہ بھی ہوتا ہے اور وہ ہر وحی کے نازل ہونے پر خوشیاں بھی مناتے ہیں کہ اللہ نے اپنے کلام سے مزید انہیں نوازا ہے اور ان کے ایمان کو جلا بخشی ہے۔

آیت ۱۲۵ ﴿وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ﴾ ''رہے وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ ہے تو وہ ان (کے اندر) کی گندگی پر مزید گندگی کا اضافہ کر دیتی ہے اور وہ مرتے ہیں اسی حال میں کہ وہ کافر ہوتے ہیں۔''

آیت ۱۲۶ ﴿اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ﴾ ''کیا یہ (منافقین) دیکھتے نہیں ہیں کہ ہر سال انہیں آزمایا جاتا ہے ایک بار یا دو بار''

قتال کا مرحلہ ہو یا کسی اور آزمائش کا موقع، وقفے وقفے سے سال میں ایک یا دو مرتبہ منافقین کے امتحان کا سامان ہو ہی جاتا ہے، جس سے ان کی منافقت کا پردہ چاک ہوتا رہتا ہے۔

﴿ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ﴾ ''پھر بھی نہ تو یہ لوگ توبہ کرتے ہیں اور نہ ہی نصیحت اخذ کرتے ہیں۔''

آیت ۱۲۷ ﴿وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ﴾ ''اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں''

جب قتال کے بارے میں احکام نازل ہوتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ کی محفل میں موجود منافقین کنکھیوں سے ایک دوسرے کو اشارے کرتے ہیں۔

﴿هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا﴾ ''کہ تمہیں کوئی دیکھ تو نہیں رہا' پھر وہ وہاں سے کھسک جاتے ہیں۔''

﴿صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ﴾ ''(دراصل) اللہ نے ان کے دلوں کو پھیر دیا ہے' اس لیے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھ نہیں رکھتے۔''

اس سورت کی آخری دو آیات قرآن مجید کی عظیم ترین آیات میں سے ہیں۔

آیت ۱۲۸ ﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ﴾ ''(اے لوگو دیکھو!) آ چکا ہے تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک رسول' بہت بھاری گزرتی ہے آپؐ پر تمہاری تکلیف''

حقیقت یہ ہے کہ ہر وہ شے جو تمہیں مصیبت اور ہلاکت سے دوچار کرنے والی ہو وہ ان کے دل پر نہایت شاق ہے۔ آپ ﷺ تمہیں دنیا اور آخرت دونوں کی ہلاکتوں اور مصیبتوں سے محفوظ اور دونوں کی سعادتوں سے بہرہ مند دیکھنا چاہتے ہیں۔

﴿حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ ''تمہارے حق میں آپؐ (بھلائی کے) بہت حریص ہیں' اہل ایمان کے لیے شفیق بھی ہیں' رحیم بھی۔''

آپ ﷺ کی شدید خواہش ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام خیر' ساری خوبیاں اور ساری بھلائیاں تم لوگوں کو عطا فرما دے۔

آیت ۱۲۹ ﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ ''پھر بھی اگر یہ لوگ روگردانی کریں تو (اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے کہ میرے لیے اللہ کافی ہے' اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔''

﴿عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ﴾ ''اُسی پر میں نے توکّل کیا اور وہ بہت بڑے عرش کا مالک ہے۔''

اللہ تعالیٰ کے عرش کی کیفیت اور عظمت ہمارے تصور میں نہیں آ سکتی۔

بارك الله لي ولكم في القرآن العظيم ونفعني وإياكم بالآيات والذكر الحكيم

روزے کا حاصل: تقویٰ

امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید ﷾

کا ۲۵ ستمبر ۲۰۰۹ء کا خطاب جمعہ

خطبۂ مسنونہ کے بعد:

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم ۔ بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ (البقرۃ)

حضرات! نیکیوں کا موسم بہار ماہ رمضان اپنے اختتام کو پہنچ رہا ہے۔ اس ماہِ مبارک میں اللہ تعالیٰ نے ہم میں سے جن لوگوں کو روزہ رکھنے‘ تراویح میں شرکت کرنے‘ گناہوں سے بچنے‘ نیکیوں کے کرنے‘ خاص طور پر قرآن مجید کے ساتھ تعلق استوار کرنے کی توفیق دی‘ وہ مبارک باد کے لائق ہیں۔ عیدالفطر دراصل انہی چیزوں کا شکرانہ ہے۔ ازروئے الفاظ قرآنی:

﴿وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ (البقرۃ)

’’اور جس ہدایت سے اللہ نے تمہیں سرفراز کیا ہے‘ اس پر اللہ کی کبریائی کا اظہار و اعتراف کرو اور شکرگزار بنو۔‘‘

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عظیم کے ذریعے تمہیں جو ہدایت دی ہے‘ روزے کے نتیجے میں تمہیں تقویٰ کی جو پونجی حاصل ہوئی ہے‘ اُس پر اللہ کا شکر ادا کرو۔ تقویٰ قرآن مجید سے حصولِ ہدایت کی شرط ہے۔ قرآن یوں تو تمام انسانیت کے لیے ہدایت و رہنمائی ہے‘ مگر اِس سے فائدہ وہی لوگ اُٹھاتے ہیں جن کے اندر کچھ نہ کچھ تقویٰ موجود ہو۔ چنانچہ اسے ’’هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ‘‘ قرار دیا گیا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں اہل ایمان کو ہدایت ملنے پر اللہ تعالیٰ کے شکر کے ساتھ ساتھ اللہ کی کبریائی کا اعلان کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ تکبیر کا ایک مظہر تو وہ تکبیرات ہیں جو ہم عید کے موقع پر کہتے ہیں‘ یعنی ’’اَللّٰہُ اَکْبَر اَللّٰہُ اَکْبَر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَر اَللّٰہُ اَکْبَر وَلِلّٰہِ الْحَمْد‘‘ یہ

قولی تکبیر ہے۔ ایک عملی تکبیر بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ کی کبریائی کو بالفعل تسلیم کیا جائے‘ اُس کے قانون اور نظام زندگی کو جاری و ساری کیا جائے‘ زندگی کے تمام شعبے اللہ کی حاکمیتِ اعلیٰ کے تابع کیے جائیں۔ قولی تکبیر تب ہی صحیح معنوں میں تکبیر ہوگی جب اعلان کیا جائے کہ واقعی اللہ ہی سب سے بڑا ہے‘ اُسی کا حکم اور اُسی کا قانون سب سے اعلیٰ ہے‘ اللہ کی زمین پر اُسی کا نظامِ شریعت چلے گا‘ نہ کہ غیر اللہ کا۔ اور اُسی کو بڑا مانا جائے نہ کہ کسی دُنیوی سپر طاقت (جیسے امریکہ) کو بڑا تسلیم کیا جائے۔ اسی تکبیر کے متعلق اقبال نے کہا تھا ؎

اَلفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن
ملّا کی اذاں اور‘ مجاہد کی اذاں اور!
پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں
کرگس کا جہاں اور ہے‘ شاہیں کا جہاں اور!

اور ؎

یا وسعتِ افلاک میں تکبیرِ مسلسل
یا خاک کے آغوش میں تسبیح و مناجات
وہ مذہبِ مردانِ خود آگاہ و خدا مست
یہ مذہب ملّا و جمادات و نباتات!

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہم مسلمانوں نے رمضان کی بہار سے فائدہ اُٹھایا‘ بکثرت نیکیاں کمائیں‘ گناہوں سے مجتنب رہے‘ قرآن کے ساتھ تعلق قائم کیا‘ اس سب کا حاصل تقویٰ ہے۔ اب جب کہ رمضان کا یہ مقدس مہینہ ہم سے رخصت ہو رہا ہے‘ اس کے رخصت ہو جانے پر یہ نہیں ہونا چاہیے کہ رمضان کے جملہ معمولات ختم ہو جائیں اور ہماری زندگی اُسی سابقہ ڈگر پر چل پڑے۔ اگر ہماری روش یہی ہے تو یہ نفع کا سودا نہیں ہے۔ رمضان تو تقویٰ کی ٹریننگ تھی۔ یہ دورانیہ تو اس بات کی تربیت کے لیے تھا کہ ہم گناہوں سے بچ سکیں۔ تقویٰ تو نام ہی اس چیز کا ہے کہ ہم حرام کاموں اور معصیت و نافرمانی سے بچیں۔ روزے کے ذریعے پورے تیس دن تک ہماری اس بات کی تربیت کی جاتی ہے کہ ہم اللہ کے حکم سے اُن چیزوں سے بھی اپنے آپ کو روکے رکھیں جو عام حالات میں جائز ہیں‘ یعنی ہم کھانے پینے سے اور شہوت کے پورا کرنے سے رُکے رہیں۔ جب ایک مہینے تک ہم نے صبح صادق سے شام تک حلال چیزوں پر بھی پابندی قبول کی‘ تو اب ہمارے اندر وہ قوت اور صلاحیت پیدا ہو جانی چاہیے کہ سال کے

باقی گیارہ مہینے اللہ کی حرام کردہ چیزوں سے اپنے آپ کو بچا سکیں۔ یہ درست ہے کہ رمضان کے بعد وہ پابندی تو ختم ہو جاتی ہے جو روزے کے ساتھ خاص تھی‘ لیکن حرام امور سے اور گناہ و سرکشی سے بچنے کی پابندی تو برقرار ہے‘ وہ تو نہیں اُٹھ گئی۔

مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کا ایک نہایت وقیع خطاب ہے جو ’’دو روزے‘‘ کے عنوان سے کتابچے کی صورت میں شائع ہوا ہے۔ اس میں انہوں نے بڑی پیاری بات کہی ہے۔ فرماتے ہیں کہ ایک روزہ تو وہ ہے جس سے سب واقف ہیں‘ یعنی ماہ رمضان کا روزہ‘ جس کی بڑی تیاری اور اہتمام ہوتا ہے۔ یہ روزہ ایک دن کا روزہ ہے۔ شام کے وقت کھول دیا جاتا ہے۔ ایک روزہ اور ہے‘ جو طویل روزہ ہے۔ یہ روزہ ہماری زندگی کے آخری سانس تک چلے گا۔ اللہ نے جن چیزوں سے روک دیا ہے‘ حرام و حلال کا جو دائرہ کھینچا ہے‘ شریعت کی جو پابندیاں لگائی ہیں‘ ہمیں اُن کو ایک مسلمان کی حیثیت سے زندگی بھر ملحوظ رکھنا ہے۔ معاصی سے بچنا ہے‘ منکرات سے رکنا ہے۔ عید ہو یا شادی بیاہ کا موقع ہو‘ غرض زندگی کی کوئی بھی گھڑی ہو‘ اللہ کی یہ پابندیاں برقرار ہیں۔ اللہ کی حرام کردہ چیزیں حلال نہیں ہو سکتیں۔ ان چیزوں کا روزہ ایک مسلمان کا زندگی بھر کا روزہ ہے۔ یہ روزہ زندگی کے آخری لمحے تک برقرار رہے گا۔

نبی کریم ﷺ نے اسی اعتبار سے فرمایا:

((اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّۃُ الْکَافِرِ)) (رواہ مسلم وابن ماجہ)

’’دنیا مؤمن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے۔‘‘

دنیا کے قید خانہ ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بندۂ مؤمن یہاں اچھا لباس زیب تن نہیں کر سکتا‘ یا اچھا کھانا نہیں کھا سکتا۔ ان چیزوں کی ممانعت نہیں ہے‘ بشرطیکہ یہ حلال ذرائع سے حاصل کی جائیں۔ دنیا قید خانہ اس اعتبار سے ہے کہ یہاں مؤمن کو اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی قائم کردہ حدود کا پابند بنایا گیا ہے‘ وہ انہیں پھلانگ نہیں سکتا۔ اُس پر حرام چیزوں اور منکرات میں مبتلا ہونے پر پابندی ہے۔ وہ اپنی خواہشات کی تسکین کے لیے وہی راستہ اختیار کرے گا جو اُسے دین و شریعت نے بتا دیا ہے۔ دین کے دائرے سے باہر قدم نہیں نکال سکتا۔ اگرچہ انسان کا نفس تو یہی کہتا ہے کہ جیسے بھی ہو اُس کے مطالبات پورے کیے جائیں۔ نفس اپنی حدود کو پھلانگنا چاہتا ہے‘ اپنی تسکین کے لیے دوسروں کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنا چاہتا ہے‘ لیکن مؤمن کو حکم ہے نفس کے اس داعیہ کو روکے اور اُسے بے لگام نہ چھوڑے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا

ہے کہ آدمی ایک جھوٹ بولنے پر لاکھوں کما سکتا ہے۔ اس موقع پر نہ صرف آدمی کا نفس یہ تقاضا کرتا ہے‘ بلکہ رشتہ دار اور دوست احباب بھی یہی کہتے ہیں کہ جھوٹ بول لو‘ بہترین موقع ہے‘ فائدہ اُٹھا لو‘ لیکن بندۂ مؤمن ہرگز جھوٹ نہیں بول سکتا۔ اسی طرح ایک صاحبِ ایمان شخص ایک بڑے عہدے پر فائز ہے‘ وہ چاہے تو رشوت لے سکتا ہے‘ لیکن اللہ کے خوف سے نہیں لیتا‘ یا ایک آدمی کے پاس سرمایہ ہے اور وہ رشوت دے کر مفادات حاصل کر سکتا ہے‘ ناجائز مراعات پا سکتا ہے‘ لیکن اللہ کے سامنے جوابدہی کا احساس اُسے اس چیز سے باز رکھتا ہے۔

روزے کا حاصل ہی یہ ہے کہ آدمی حلال پر کاربند رہے اور حرام ذرائع سے بچے۔ اپنی معاشرت اور معیشت کو حرام چیزوں سے پاک رکھے۔ دوسروں کا مال ناجائز طور پر نہ کھائے۔ سود خوری‘ رشوت خوری اور ذخیرہ اندوزی سے اپنے آپ کو بچائے۔ یہ سب حرام ذرائع ہیں۔ روزے کا مقصد تقویٰ ہے اور تقویٰ کا سب سے بڑا ٹیسٹ ہی یہ ہے کہ آدمی اپنی معیشت کو حرام سے پاک کرتا ہے یا نہیں! سورۃ البقرۃ کے تیئیسویں رکوع میں جہاں روزے کی فرضیت اور احکام کا تذکرہ ہے‘ وہاں بھی یہ فرمایا گیا کہ ایک دوسرے کا مال باطل طریقے سے نہ کھاؤ‘ اسی طرح رشوت سے بھی منع کیا گیا ہے۔ فرمایا:

﴿وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ (البقرۃ)

’’اور ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ‘ اور نہ اس کو (رشوت کے طور پر) حاکموں کے پاس پہنچاؤ‘ تاکہ لوگوں کے مال کا کچھ حصہ ناجائز طور پر کھا جاؤ اور (اسے) تم جانتے بھی ہو۔‘‘

دُنیا مؤمن کے لیے قید خانہ ہے تو کافر کے لیے یہ جنت ہے۔ اِس لیے کہ اُس پر حلال و حرام کی کوئی پابندی نہیں۔ وہ جیسے چاہے اور جس انداز سے چاہے نفس کے تقاضوں کو پورا کر سکتا ہے۔ اُسے آخرت کی کوئی فکر نہیں۔ اُس کے لیے سب کچھ یہ دنیا ہے ع ’’بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست!‘‘ وہ خواہ گناہوں میں کتنا ہی آگے بڑھے‘ منکرات کو کتنا ہی اختیار کرے‘ اُس پر کوئی روک ٹوک نہیں۔ اس لیے کہ وہ دُنیا میں آزاد ہے۔ یہی دنیا کے تعلق سے مؤمن اور کافر کے نقطۂ نظر کا فرق ہے۔ دنیا میں مؤمن کی اِس قید اور اسیری کی حالت کو نبی

کریم ﷺ نے ایک مثال سے واضح فرمایا۔ آپؐ نے فرمایا: ''مؤمن کی مثال ایک گھوڑے کی سی ہے جو کھونٹے سے بندھا ہوا ہے''۔ یعنی جتنی لمبی رسی سے وہ بندھا ہوا ہے' اُس حد تک وہ کھونٹے کے گرد دائرہ میں حرکت کرسکتا ہے' لیکن اُس سے باہر نہیں جاسکتا۔ یہ دائرہ اللہ کی حدود کا دائرہ ہے۔ بندۂ مؤمن کو اُسی کی پابندی کرنی ہے' اور یہ پابندی تاحیات برقرار رہے گی۔ یہی مؤمن کا زندگی بھر کا روزہ ہے۔ رمضان کا روزہ اسی روزے کی تیاری اور ٹریننگ ہے۔

اللہ تعالیٰ اس مہینے میں معاشرتی میدان میں' معاشی سطح پر اور عبادات کے گوشے میں' غرض ہر پہلو سے بندۂ مؤمن کو اپنی دینی تربیت کا موقع فراہم کرتا ہے' تاکہ وہ اس مہینے میں جائز چیزوں پر پابندی قبول کر کے اپنے اندر باقی گیارہ مہینوں میں اللہ کی حرام کردہ چیزوں سے بچنے کی استعداد پیدا کرے۔ یہی چیز روزے کا حاصل ہے' یہی تقویٰ ہے۔ اگر ہمارے اندر یہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے تو یہ باعثِ مسرّت ہے' اور اس کی بنیاد پر ہمیں اپنا محاسبہ کرنا ہے کہ ہماری زندگی میں کہاں کہاں حرام کی آمیزش ہے' کہاں کہاں اللہ کی نافرمانی ہو رہی ہے۔ اگر ہم نماز نہیں پڑھ رہے یا زکوٰۃ نہیں دے رہے یا صاحبِ استطاعت ہونے کے باوجود حج نہیں کر رہے تو اللہ کی نافرمانی کر رہے ہیں۔ تقویٰ کا تقاضا گناہوں سے بچنا بھی ہے اور فرائض و واجبات پر عمل پیرا ہونا بھی ہے۔ لہٰذا ہم میں سے ہر شخص یہ طے کرے کہ مجھے آئندہ گیارہ مہینے نماز کی پابندی کرنی ہے' میری زندگی میں جو گناہ شامل ہیں اُن کی آلودگی سے اپنے دامن کو بچانا ہے۔ پھر یہ کہ ہمیں تکبیر رب کا حکم ہے۔ تقویٰ اس بات کا متقاضی ہے کہ ہم اللہ کی کبریائی کا اعلان کریں' اللہ کی دھرتی پر اللہ کے نظام کے قیام کے لیے جدوجہد کریں۔ اپنی زندگی میں سے کچھ وقت ضرور اس عظیم الشان مشن کے لیے نکالیں۔ قرآن مجید میں حکم ہے:

﴿وَجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ﴾ (التوبۃ: ۴۱)

''اللہ کی راہ میں جہاد کرو اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ۔''

جہاد اللہ کی راہ میں سعی و جُہد کا نام ہے۔ اِس وقت اللہ کی زمین پر باطل شیطانی قوتوں کا تسلّط ہے۔ ایسے میں اللہ کے وفاداروں کا یہ کام ہے کہ باطل نظام کو جڑ سے اکھاڑ کر اللہ کے دین اور اُس کے دستورِ شریعت کو قائم کریں۔ اِس راہ میں ہر قسم کی مشکلات برداشت کریں۔ اپنی جان و مال لگائیں' اپنے اوقات لگائیں۔ یہ تقاضا ہر مسلمان سے ہے' خواہ وہ چین میں بستا ہو یا ماچین میں' عرب کا باشندہ ہو یا عجم کا' امریکہ کا باسی ہو یا افریقہ کا۔ جو لوگ یہ تقاضا پورا نہیں

کرتے وہ اللہ کی نافرمانی کر رہے ہیں۔ اِسی نافرمانی سے بچنے کی ٹریننگ روزہ ہے۔

تقویٰ جو روزے کی عبادت کا اصل حاصل ہے' اس کا دنیا میں فائدہ تو یہ ہے کہ اس کی بدولت انسان شریعت کی پاسداری کرتے ہوئے اللہ اور اُس کے بندوں کے حقوق ادا کرتا ہے۔ البتہ اس کا سب سے بڑا فائدہ آخرت کی کامیابی ہے۔ قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر یہ بات واضح کی گئی ہے کہ آخرت کی کامیابی متقین کے لیے ہے۔ سورۃ النبا میں فرمایا:

﴿اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا ﴿۳۱﴾﴾

''بے شک متقین کے لیے کامیابی ہے۔''

سورۂ قٓ میں فرمایا:

﴿وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ ﴿۳۱﴾﴾

''اور بہشت پرہیزگاروں کے قریب کر دی جائے گی' اور کچھ بھی دور نہ ہوگی۔''

سورۃ الذاریات میں ارشاد ہوا:

﴿اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۱۵﴾﴾

''بے شک متقین بہشتوں اور چشموں میں ہوں گے۔''

سورۃ الطّور میں ارشاد ہوا:

﴿اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَعِيْمٍ ﴿۱۷﴾﴾

''جو متقی ہیں وہ باغوں اور نعمتوں میں ہوں گے۔''

سورۃ القلم میں فرمایا:

﴿اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۳۴﴾﴾

''متقین کے لیے اُن کے پروردگار کے ہاں نعمت کے باغ ہوں گے۔''

پس تقویٰ کوئی اضافی چیز نہیں' بلکہ جنت میں داخلے کی لازمی اور بنیادی شرط ہے۔ اِس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن حکیم میں مسلمانوں کو بکثرت تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ سورۃ المائدۃ میں فرمایا:

﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۰﴾﴾

''اور اے عقل والو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو' تاکہ تم فلاح پاؤ۔''

سورۂ لقمان میں فرمایا:

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۫ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا ۭ﴾ (آیت ۳۳)

''لوگو! اپنے پروردگار کا تقویٰ اختیار کرو اور اُس دن کا خوف کرو کہ نہ تو باپ اپنے بیٹے کے کام آئے گا اور نہ بیٹا باپ کے کچھ کام آ سکے گا۔''

سورۃ الاحزاب میں فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝﴾

''مؤمنو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور بات سیدھی کہا کرو۔''

سورۃ الحجرات میں ارشاد ہوا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝﴾

''مؤمنو (کسی بات کے جواب میں) اللہ اور اُس کے رسول سے پہلے نہ بول اُٹھا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔''

اسی سورت میں آگے فرمایا:

﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾

''اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔''

سورۃ التغابن میں تقویٰ کا حکم بایں الفاظ دیا گیا:

﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ۭ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝﴾

''پس جہاں تک ہو سکے اللہ کا تقویٰ اختیار کرو (اور اس کے احکام کو) سنو اور فرماں بردار رہو اور اس کی راہ میں خرچ کرو، یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اور جو کوئی اپنے جی کے لالچ سے بچا لیا گیا تو یہی لوگ کامیاب ہوں گے۔''

سورۃ المائدہ میں کئی مقامات میں تقویٰ کی تلقین کی گئی ہے۔ ایک مقام پر فرمایا:

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝﴾

''اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ دلوں کی باتوں تک سے واقف ہے۔''

یعنی کامیابی کا زینہ ہی تقویٰ ہے۔ اس کے بغیر اُخروی فلاح و نجات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ تقویٰ کی اس قدر تاکید کے باوجود اگر ہم اس کی اہمیت کا ادراک نہ کریں تو اس کا مطلب یہ

ہوگا کہ ہم خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو ہمیں ہر طرح سے بات سمجھا دی ہے۔

تقویٰ کی روح کیا ہے؟ تقویٰ کی روح آخرت کی جوابدہی کا احساس اور محاسبہ کی فکر ہے۔ بندۂ مؤمن کو اس بات کا احساس ہو کہ مجھے مرنے کے بعد اللہ کے حضور حاضر ہونا ہے۔ وہ دنیا ہی میں گم ہو کر نہ رہ جائے، بلکہ ہر قدم پر اُسے یہ خیال رہے کہ میری اصل منزل آخرت ہے، وہاں کی زندگی دائمی زندگی ہے، جس کے سنوارنے کے لیے مجھے جِدّوجُہد کرنی ہے۔ ہر وقت اُسے یہ فکر لاحق رہے کہ میں وہاں ناکام نہ ہو جاؤں۔ اگر ایک آدمی کی یہ کیفیت نہیں تو وہ تقویٰ کی روح سے محروم ہے۔ جنت میں اہلِ جنت سے سوال ہوگا کہ تمہارا کون سا عمل تھا جو اللہ کو بہت پسند آیا اور تم جنت میں پہنچ گئے؟ اہلِ جنت اس سوال کا جو جواب دیں گے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سب لوگوں میں دیگر خوبیوں کے علاوہ جو مشترک صفت تھی وہ تقویٰ اور اللہ کے حضور جوابدہی کا احساس تھا:

﴿ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْٓ اَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ ۝﴾ (الطور)

''کہیں گے کہ اس سے پہلے ہم اپنے گھر میں (اللہ سے) ڈرتے رہتے تھے۔''

تقویٰ کی یہ روح اگر نہیں ہوگی تو پھر ظاہر ہے انسان گناہوں پر جری ہوگا، سرکشی اور بغاوت کی روش اپنائے گا اور حرام و حلال، جائز و ناجائز کی چنداں پروا نہیں کرے گا۔ تقویٰ کی یہ روح کیسے زندہ و بیدار ہوگی؟ اس کا ذریعہ قرآن حکیم ہے۔ اگر آپ قرآن حکیم بکثرت پڑھیں گے تو آپ کے اندر تقویٰ اور پرہیزگاری کی روح بیدار ہوگی، اس لیے کہ قرآن آپ کو بار بار یاددہانی کرائے گا کہ تمہارا مقصدِ زندگی اور تمہاری منزل کیا ہے۔ تقویٰ کا حاصل یہ سوچ ہے کہ میرا اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ مجھے ایک دن اُس کے حضور حاضر ہونا ہے اور اپنے ہر عمل کا جواب دینا ہے۔ یہ احساس جب سوچ کا حصہ بن جائے تو پھر انسان کا عمل لازماً دین و شریعت کے تابع ہوگا، پھر وہ گناہوں سے رُکے گا، اللہ کی نافرمانی سے اپنے آپ کو بچائے گا۔ پھر وہ اس بات کی فکر کرے گا کہ میری دینی ذمہ داریاں کیا کیا ہیں۔ کہیں میں اُن کی ادائیگی میں کوتاہی تو نہیں کر رہا ہوں۔ وہ سوچے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اُمّتِ مسلمہ میں شامل کر کے مجھے ایک عظیم مشن سونپا ہے، مجھے شہادت علی الناس کا فریضہ انجام دینا ہے۔ ایک آدمی کو اگر ایک اچھی ملازمت مل جائے تو وہ اس بات کا پورا خیال رکھتا ہے کہ کہیں میرا باس مجھ سے ناراض نہ ہو جائے۔ اِسی طرح جسے تقویٰ کی دولت مل گئی وہ اپنی ذمہ داریوں کا احساس اور اُن کی بطریق احسن ادائیگی

کی فکر کرے گا۔ اُس کا دل بس اِسی یقین سے سرشار ہوگا کہ یہ دنیا چند روزہ ہے‘ یہ میرا اصل مسئلہ نہیں ہے‘ میرا اصل مسئلہ آخرت کی کامیابی ہے‘ لہٰذا آخرت پر دنیا کو ترجیح نہ دوں۔ دُعا ہے‘ اللہ تعالیٰ ہم سب کو تقویٰ کی پونجی عطا فرمائے۔

حضرات! رمضان المبارک کی ستائیسویں شب کی دین میں کیا فضیلت ہے‘ اُس سے کسی قدر ہر مسلمان آگاہ ہے۔ ہم اہلِ پاکستان کے لیے اس شب کی اضافی اہمیت اس پہلو سے بھی ہے کہ پاکستان کا قیام اسی شب عمل میں آیا۔ اس اعتبار سے کہا جاسکتا ہے کہ یہ شب نزولِ پاکستان کی سالگرہ بھی ہے۔ اس موقع پر بانیٔ تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے مسجد جامع القرآن‘ قرآن اکیڈمی میں ایک خصوصی پروگرام میں حاضرین سے خطاب کیا۔ پروگرام کے دوران میں حاضرین میں ایک خصوصی ہینڈ بل بھی تقسیم کیا گیا‘ جس میں لوگوں کی توجہ ملک وملت کو درپیش حالات کی سنگینی کی جانب مبذول کرائی گئی اور انہیں اپنی زندگی کے نقشے کا جائزہ لینے اور توبہ کی دعوت دی گئی۔ یہ بات آپ سب پر عیاں ہے کہ پاکستان کے حالات اس وقت جس رُخ پر جارہے ہیں‘ وہ نہایت ہی تشویشناک ہے۔ ہم سب کو یہ بات اپنے دل کی گہرائیوں میں اتار لینی چاہیے کہ ہر مشکل میں اللہ تعالیٰ ہی ہمارے لیے واحد سہارا ہے۔ اگر ہم خطرات سے نجات چاہتے ہیں اور دشمن کے ناپاک عزائم کو خاک میں ملانا چاہتے ہیں تو اس کے لیے لازم ہے کہ ہم مالک کائنات کا سہارا پکڑیں اور اپنے گناہوں پر نادم ہوکر اُس سے معافی مانگیں۔ توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ۭ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ۱۸۶﴾ (البقرۃ)

’’اور (اے پیغمبر ﷺ!) جب آپ سے میرے بندے میرے بارے میں دریافت کریں تو (کہہ دیجیے کہ) میں تو (تمہارے) پاس ہی ہوں۔ جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اُس کی دُعا قبول کرتا ہوں‘ تو اُن کو چاہیے کہ میرے حکموں کو مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں‘ تاکہ نیک راستہ پائیں۔‘‘

یوں تو پورا عالم اسلام اِس وقت زبوں حالی سے دوچار ہے۔ اُمت مُسلمہ کے خلاف یہود ونصاریٰ اور ہنود کا گٹھ جوڑ‘ ناپاک عزائم اور ریشہ دوانیاں کھل کر سامنے آگئی ہیں۔ تاہم پاکستان اس وقت دشمنانِ اسلام کا خصوصی ہدف ہے۔ اس وقت ہمارے متعدد ائیر بیسز پر امریکہ کا قبضہ اور تسلّط ہے۔ (یاد رہے کہ یہ ۲۰۰۹ء کا خطاب ہے) امریکہ کے ڈرون حملے‘ امریکی

سفارتخانے کا توسیعی منصوبہ‘ امریکی کمانڈوز میرین اور بلیک واٹر جیسے اجرتی قاتلوں کی موجودگی‘ یہ وہ چیزیں ہیں جو ہماری غیرت کو جھنجھوڑ رہی ہیں۔ امریکہ بڑی تیزی کے ساتھ ہماری سرزمین پر اپنے پنجے گاڑ رہا ہے۔ رمضان المبارک کے دوران مَیں دورۂ ترجمہ قرآن کے سلسلہ میں پشاور میں مقیم تھا۔ وہاں مجھے بتایا گیا کہ امریکی PC (پرل کانٹینٹل) خریدنے کے درپے ہیں۔ یہی نہیں‘ وہاں یو ایس ایڈ اور یو این او کے اداروں کے حوالے سے جابجا بلیک واٹر کے مراکز قائم ہوچکے ہیں۔ یونیورسٹی ٹاؤن جہاں مَیں ٹھہرا ہوا تھا‘ وہاں ہر تیسری کوٹھی پر عملاً امریکہ کا قبضہ ہے اور ابھی وہ اپنا جال اور بھی پھیلا رہے ہیں۔ بلیک واٹر جس نے اب اپنا نام بدل کر ’’زی‘‘ (Xe) رکھ لیا ہے‘ پشاور میں اُس کی گاڑیاں عام پھرتی نظر آتی ہیں‘ اور لوگ خوف کا شکار ہیں کہ نہ جانے اب کیا ہوگا۔ عجیب بات ہے کہ ہم خود اپنی ہی سرزمین پر اجنبی بنتے جارہے ہیں۔

اسلام آباد میں امریکہ نے سفارتخانے کی توسیع کے نام پر جو اٹھارہ ایکڑ زمین حاصل کی ہے اور اُس پر وہ جو عمارتیں بنا رہے ہیں‘ اُس کے متعلق قاضی حسین احمد صاحب اور منور حسن صاحب نے بہت صحیح کہا ہے کہ امریکی اسلام آباد میں منی پینٹاگون بنا رہے ہیں اور اس کی وجہ بھی ظاہر ہے۔ یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ افغانستان میں طالبان نے اپنی مؤمنانہ استقامت اور جرأت سے امریکیوں کو ناکوں چنے چبانے پر مجبور کردیا ہے۔ چنانچہ امریکہ نے اپنا پورا رُخ اب پاکستان کی طرف موڑ دیا ہے۔ یہاں اُس کے لیے راستہ ہموار ہے۔ اس لیے کہ ماضی کے پرویز مشرف ہوں یا حال کے آصف علی زرداری ایک دوسرے سے بڑھ کر امریکہ کی وفاداری کررہے ہیں۔ ہمیں یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ امریکہ جو یہاں اپنے پنجے گاڑ رہا ہے‘ اس کا نتیجہ نہایت خوفناک ہوگا۔ امریکہ ہماری ایٹمی تنصیبات کا کنٹرول حاصل کرلے گا‘ اور یہی اُس کا ایک بڑا ہدف ہے☆۔ اس کے بعد ہم بھارت کے رحم وکرم پر ہوں گے۔ بھارت کے عزائم کیا ہیں‘ مجھے اس کے بارے میں تفصیل سے بتانے کی ضرورت نہیں۔ ہندو روزِ اوّل سے پاکستان کے وجود کا مخالف ہے۔ وہ تقسیم ہند کی لکیر کو مٹا دینا چاہتا ہے۔ اُس کا ہدف اکھنڈ بھارت ہے۔ اُس نے ساٹھ سال سے ہماری شہ رگ دبوچی ہوئی

☆ امریکی اخبار واشنگٹن پوسٹ کے مطابق یہ بات ۲۰۱۰ء میں پاکستان کے آرمی چیف جنرل اشفاق پرویز کیانی نے بھی امریکی صدر اوباما کو چودہ صفحے کے ایک میمو کے ذریعے بتادی تھی۔ (مرتب)

ہے۔اب اُس نے ہمارے دریاؤں پر ڈیم بنا کر ہمارا پانی بند کر دیا ہے۔انڈیا کی اتنی کھلی دشمنی کے باوجود ہمارا ’’دوست‘‘ امریکہ ہمیں باور کرا رہا ہے کہ بھارت سے دشمنی نہ کرو۔تمہارا اصل دشمن بھارت نہیں‘ طالبان ہیں‘ اُن کا خاتمہ کرو!

امریکہ جس طور سے یہاں پنجے گاڑ رہا ہے اور ہر معاملے میں ہمیں ڈکٹیشن دے رہا ہے‘ اُس سے لگتا ہے کہ اس ملک کے مالک ہم نہیں‘ امریکہ ہے۔ہم تو گویا اُس کے غلام ہیں‘ جو اُس کی نوآبادی میں رہ رہے ہیں۔یہ صورتحال پوری قوم کے لیے لمحۂ فکریہ ہے اور تقاضا کرتی ہے کہ مخلص اور محبِ وطن پاکستانی اپنی ’’آزادی‘‘ کی بقا کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں ؎

وطن کی فکر کر ناداں قیامت آنے والی ہے
تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں

اگرچہ میڈیا میں امریکی عزائم‘ خاص طور پر بلیک واٹر کے حوالے سے تھوڑی بہت آواز اُٹھ رہی ہے‘ تاہم افسوس ناک بات یہ ہے کہ ہمارے سیاسی قائدین مصلحت کی چادر اوڑھے خاموش تماشائی کا کردار ادا کر رہے ہیں۔

ہمارے لیے اصل قابل غور بات یہ ہے کہ اس ناگفتہ بہ صورتحال کا سبب کیا ہے؟ دراصل یہ زبوں حالی ہمارے گناہوں کی سزا ہے۔ہمارا سب سے بڑا جرم یہ ہے کہ اسلام کے نام پر حاصل کیے گئے ملک میں طویل عرصہ گزر جانے کے باوجود ہم دین وشریعت کو نافذ نہ کر سکے‘ بلکہ اس جانب ماضی میں جو تھوڑی بہت پیش رفت ہوئی تھی‘ اب اُس سے بھی پسپائی شروع کر دی گئی ہے۔اس کی نمایاں ترین مثال نام نہاد تحفظ حقوقِ نسواں بل ہے جو پرویزی دور میں پاس کیا گیا۔یہ ’’اسلامی جمہوریہ پاکستان‘‘ کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ ہے۔کتنی ستم ظریفی ہے کہ تمام مکاتب فکر کے علماء کرام نے متفقہ طور پر یہ قرار دیا کہ یہ بل غیر اسلامی ہے اور قرآن وسنت سے متصادم ہے‘ لیکن پرویز مشرف نے‘ جو مغل اعظم بنا ہوا تھا‘ اِس کے باوجود یہ بل پاس کروایا‘ اور حد درجہ ڈھٹائی سے وہ یہ بات بھی کہتا رہا کہ یہ بل قرآن وسنت کے عین مطابق ہے۔اس سراسر غیر اسلامی بل کی منظوری کے باوجود قوم خاموش رہی۔بدقسمتی سے ہماری سیاسی ودینی جماعتوں کے قائدین نے اس ضمن میں اپنا کردار ادا نہیں کیا۔ہمارا دوسرا بڑا جرم یہ ہے کہ ہم نے امارتِ اسلامی افغانستان کے خاتمے کی طاغوتی جنگ میں امریکہ اور اس کے اتحادیوں کا ساتھ دیا اور اسلامی حکومت کے خاتمہ اور بے گناہ افغان مسلمانوں کے قتل کے جرم

میں تعاون کیا۔یہ بات بھی اللہ کے غضب کو بھڑکانے والی ہے۔درحقیقت اللہ سے بغاوت اور سرکشی کی بنا پر اس وقت ہم ذلت ورسوائی کے عذاب کی زد میں آئے ہوئے ہیں۔

اب ہمارے پاس ایک ہی راستہ ہے جس پر چل کر ہم اس ذلت سے نکل سکتے ہیں‘ اور وہ یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کو راضی کر لیں۔ہم اللہ کا سہارا پکڑ کر دنیا کی بہت بڑی طاقت بن سکتے ہیں۔ہم اہل پاکستان ہی کیا‘ پوری اُمتِ مسلمہ جو اس وقت سائنس وٹیکنالوجی اور جنگی وسائل کے اعتبار سے بہت کمزور ہے‘ اگر اللہ کو راضی کرنے پر کمربستہ ہو جائے تو اُس کے دن پھر سکتے ہیں۔اللہ کی رضا یونہی حاصل نہیں ہو جائے گی۔یہ تب حاصل ہو گی جب ہم اُس کے دین کو انفرادی اور اجتماعی سطح پر اختیار کریں گے‘ جب ہم رب کی دھرتی پر رب کے نظام کے لیے سرگرم عمل ہو جائیں گے۔پھر اللہ کی مدد ضرور آئے گی۔اُس کا وعدہ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ⑦﴾ (محمد)

’’اے اہل ایمان! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ بھی تمہاری مدد کرے گا اور تم کو ثابت قدم رکھے گا۔‘‘

اور جب اللہ ہماری مدد کرنے لگے تو دنیا کی کوئی طاقت ہمیں میلی آنکھ سے نہ دیکھ سکے گی۔

اللہ تعالیٰ کی نصرت ومدد کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ شریعت سے وفاداری اور اُس کے نفاذ کی جدوجہد ۱۸ کروڑ کے ملک میں صرف چند سو افراد ہی نہ کریں‘ بلکہ آبادی کا قابلِ ذکر حصہ اپنا قبلہ درست کرے۔تب اللہ کی رحمت اور مدد آئے گی‘ تب حالات بدلیں گے‘ ورنہ تباہی وبربادی نوشتہ دیوار ہے۔بہت سے انبیاء ورسل دنیا میں آئے‘ لیکن جب اُن کی قوم کے گنتی کے لوگوں کے علاوہ‘ بحیثیت مجموعی قوم نے دعوتِ حق کو رد کر دیا‘ تو ان قوموں کو تباہ کر دیا گیا۔قومِ نوحؑ‘ قومِ ہودؑ‘ قومِ صالحؑ‘ قومِ شعیبؑ اور قومِ لوطؑ اس کی نمایاں مثالیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں تباہی سے بچائے‘ اور دین وشریعت کی تعمیل وتنفیذ کی ہمت وتوفیق عطا فرمائے۔آمین!

اقول قولی هذا واستغفر الله لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات

(مرتب: محبوب الحق عاجز)

روزہ

منفرد شان کی جامع عبادت

عتیق الرحمٰن صدیقی

جسم وروح کے رشتہ میں توازن کی ضرورت

اگر جسم اور روح کے مابین قائم رشتہ توازن‘ تناسب اور توسط و اعتدال کے منہج سے آراستہ رہے تو شر وفساد اور انتشار و اختلال کی راہیں مسدود رہتی ہیں‘ جسم بھی صحت مند اور تنومند رہتا ہے اور روح کو بھی بالیدگی نصیب ہوتی ہے‘ مگر دونوں کو جادۂ اعتدال پر قائم و دائم رکھنے کے لیے خاصے حزم و احتیاط اور جُہد و کوشش کی ضرورت ہوتی ہے۔ کسی بھی مرحلے میں لڑکھڑا جانے اور راہِ مستقیم سے پھسل جانے سے بگاڑ کا اندیشہ موجود ہوتا ہے اور صحت مند جسم اخلاقی امراض کی آماجگاہ بننے لگتا ہے۔ ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم جسم کی ساخت پرداخت‘ اس کی نشوونما اور اس کی ظاہری آرائش وزیبائش کا ہر لحظہ خیال رکھتے ہیں‘ مگر روح کو تازگی اور تقویت دینے کے لیے جن عوامل سے استفادہ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے ان کی جانب کما حقہٗ توجہ نہیں کرتے‘ جس کے نتیجے میں ہماری زندگی متنوع مفاسد و رذائل کا شکار ہونے لگتی ہے اور معاشرے کا توازن جن صالح خدوخال کی بدولت خیر و برکت کی تزئین سے منور ہوتا ہے‘ وہ ڈگمگا جاتا ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت کا مقصد

وہ نفوسِ قدسیہ جن کا اللہ نے اختصاص فرمایا اور وہ نبوت کے مناصبِ جلیلہ پر فائز ہوئے ان کی بعثت کا مقصود ہی یہ تھا کہ وہ بندگانِ خدا کو وحی کی روشنی سے منوّر کریں‘ انہیں آدمیت و انسانیت کے مقامِ رفیع تک پہنچائیں اور ان کی تربیت و تزکیہ کا اہتمام کر کے ایک صالح معاشرہ کو وجود میں لائیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی تمام تر سرگرمیوں میں حکمت و دانائی اور فراست کارفرما رہی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی فرمایا گیا کہ آپ کے رب کی طرف سے جو وحی آپ

پر اترتی ہے‘ وہ اس کے بندوں تک ٹھیک ٹھیک پہنچا دیں‘ اس لیے کہ اس پر فریضۂ رسالت کی حسنِ تکمیل کا انحصار ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی عملی وفکری کاوشوں کا تسلسل قائم رہتا ہے تاکہ معاشرہ کج رو اور کج فکر نہ ہونے پائے‘ اس کے خال وخط میں کوئی دراڑ رونما نہ ہو اور بے اعتدالی کو کوئی راہ نہ ملے۔ اس کے لیے اللہ وحدہٗ لاشریک نے عبادات کا نظام قائم کیا ہے‘ مثلاً قیامِ صلوٰۃ کا ایسا انصرام کیا کہ ہر ساعت اللہ یاد رہے اور وفائے وعدہ کا پاس رہے۔ زکوٰۃ کے ذریعے بندگانِ خدا کے حقوق پورے ہوتے رہیں‘ مودت ومحبت کے آفاقی رشتے کو مستحکم کرنے کے لیے بیت اللہ کی زیارت کا حکم فرمایا اور روح کی غذا کو مضطرب کر دینے والی آلائشوں سے بچانے کے لیے ایک منفرد اور امتیازی نوعیت کی عبادت کو فرض قرار دیا جسے قرآن نے ’’صیام‘‘ کے نام سے موسوم کیا ہے۔

صوم کا قانونی اور حقیقی مفہوم

لغوی اعتبار سے صوم کے معنی رکنے اور چپ رہنے کے ہیں۔ یہ دراصل نفسانی ہوا و ہوس اور بہیمی خواہشوں سے اپنے آپ کو روکنے اور حرص و ہوا کے ڈگمگا دینے والے موقعوں پر اپنے آپ کو ضابط اور ثابت قدم رکھنے کا نام ہے۔ انسانی حرص و ہوا اور خواہشاتِ نفسانی کا مظہر تین چیزیں ہیں: کھانا‘ پینا اور عورت و مرد کے جنسی روابط سے ایک متعینہ مدت تک رکے رہنا‘ اور اسی کا شرعی و اصطلاحی نام صوم‘ صیام اور روزہ ہے۔ صبح کی پو پھٹنے سے لے کر سورج کی ٹکیا غائب ہونے تک نفس کے ان تین مطالبات کو پورا کرنے سے باز رہنا روزے کا قانونی تقاضا ہے‘ اور اگر ظاہری خواہشوں کے ساتھ باطنی خواہشوں اور برائیوں سے دل اور زبان کو محفوظ رکھا جائے تو حقیقی روزہ کا منشا بھی پورا ہو جاتا ہے۔ قرآن حکیم نے روزے کی فرضیت کا مقصد ہی یہ قرار دیا کہ اس سے انسان میں تقویٰ پیدا ہو۔ تقویٰ درحقیقت اللہ کی ناراضگی سے بچنے کے اس گہرے احساس کا نام ہے جو آدمی کو ہر بھلے کام پر ابھارتا اور ہر برے کام سے روکتا ہے۔ اس مستقل قلبی کیفیت کی بدولت وہ ہر دم چوکنا رہتا ہے اور صرف اللہ کی پسند کو پیش نظر رکھتا ہے۔ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اَلصِّيَامُ جُنَّةٌ ، فَإِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِ اَحَدِكُمْ فَلَا يَرْفُثْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَسْخَبْ ، فَإِنْ سَابَّهُ اَحَدٌ اَوْ قَاتَلَهُ فَلْيَقُلْ إِنِّي امْرُؤٌ صَائِمٌ)) (۱)

’’روزہ (دنیا میں گناہوں سے اور آخرت میں دوزخ سے بچانے والی) ڈھال ہے۔ پس جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو چاہیے کہ وہ نہ بے حیائی کی باتیں کرے اور نہ

بدکلامی کرے۔ اور اگر کوئی اس سے گالی گلوچ کرے یا لڑنے جھگڑنے پر اتر آئے تو اس سے کہے کہ میں روزے سے ہوں۔‘‘

تین اہم فطری مطالبات

کھانے‘ پینے اور ازدواجی روابط سے اپنے آپ کو روکے رکھنا‘ یہ نفس کے نہایت ہی طاقتور مطالبات ہیں۔ ان میں بلا کا زور ہے اور یہ اتنے قوی ہیں کہ ان کو سرنگوں کیے رکھنا خاصا دشوار ہے‘ اس لیے کہ ان پر بقائے ذات بھی موقوف ہے اور بقائے جنس بھی۔ ان پر مکمل ایک ماہ تک قدغن لگائے رکھنا اور صبر و ضبط سے کام لے کر ان بے قرار اور تند و تیز خواہشوں کے سامنے بند باندھے رکھنا نہایت ہی مشکل اور مشقت طلب عمل ہے۔ یہ سرگرمی اگر اپنے تمام تر آداب کے ساتھ روبہ عمل لائی جائے‘ ایمان و احتساب کے ساتھ اس کے تمام مراحل سے حسن و خوبی سے گزرا جائے تو من کی دنیا ایسے جذب و شوق اور نور و نکہت سے سرشار ہوتی ہے کہ شیطان کی تمام تر دلفریبیاں اور خوشنمائیاں خس و خاشاک کی مانند اپنا وجود کھو بیٹھتی ہیں اور تقویٰ کی مہکار اسے اوجِ کمال تک پہنچا دیتی ہے۔ انسانیت کا شرف اپنی روشنیاں بکھیرتا ہے اور باطل اپنی تمام تر رعنائیوں اور سحر انگیزیوں کے باوجود بے اثر ہو کر رہ جاتا ہے۔ بندۂ مؤمن میں ایسی مزاحمانہ اور مدافعانہ قوت پیدا ہو جاتی ہے کہ بہار ہو کہ خزاں وہ لا الٰہ الا اللہ کے ورد سے مسحور رہتا ہے اور وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ہی اس کا مقصود و مطلوب بن جاتا ہے۔

خواہشوں کو قابو میں رکھنے کا ذریعہ

ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ ہمارے دلوں میں آرزوؤں اور تمناؤں کا ایک تلاطم برپا ہوتا ہے‘ خود ساختہ ضرورتوں کا ایک انبار لگا ہوتا ہے‘ خدم و حشم اور زر و مال کی طلب میں‘ پرشکوہ اور عالی شان عمارتوں اور لذیذ غذاؤں کی جستجو میں ہم دبلے ہو رہے ہوتے ہیں‘ قوت و اقتدار کے لیے ہم مرغِ بسمل کی طرح تڑپ رہے ہوتے ہیں‘ اور بعض اوقات حرام و حلال کی تمام حدوں کو پھاندنے سے گریز نہیں کرتے۔ ایسے میں یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم عیش و نشاط کی مالا جپنے کے بجائے چند ناگزیر ضرورتوں کی تکمیل تک اپنے آپ کو محدود کر لیں‘ مادیات کی کثافتوں سے بری اور پاک ہونے کے لیے اکل و شُرب میں ایک تناسب قائم کر لیں اور جنسی ہیجان کو قابو میں رکھ سکیں۔ تمام مذاہب میں کھانے‘ پینے اور جنسی ملاپ کو ایک دائرے میں رکھنے کے لیے ان بنیادی ضرورتوں سے استغناء کو لازم قرار دیا ہے۔ کتاب اللہ میں یہ فرما دیا گیا کہ پہلی اُمتوں پر

بھی روزہ رکھنا فرض قرار دیا گیا تھا‘ لہٰذا روزہ کوئی نیا‘ نرالا اور انوکھا عمل نہیں‘ بلکہ چند گنے چنے دنوں کی تحدید کی گئی ہے۔ اس کی غرض و غایت تقویٰ ہے جو قرآن کی ایک نہایت جامع اصطلاح ہے‘ یعنی اپنی خواہشوں کو قابو میں رکھنا اور جذبات کے تلاطم سے اپنے آپ کو بچا لینا۔ گویا روزہ ایک روحانی علاج کے طور پر فرض ہوا ہے اور اس کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ اللہ نے جو راہ تم کو دکھائی ہے اس پر تم اس کی بڑائی کرو اور شکر ادا کرو۔

تقویٰ پیدا کرنے کا سرچشمہ

روزہ نہ صرف تقویٰ پیدا کرتا ہے‘ بلکہ تقویٰ کی تمام کرنیں اسی سرچشمہ سے پھوٹتی ہیں۔ یہ ایک ایسی عبادت ہے جس میں ریا نہیں ہوتی۔ جب کسی عمل میں ریا نہ ہو تو وہ اللہ سے تعلق بڑھانے میں زیادہ کارگر ثابت ہوتا ہے۔ نماز‘ زکوٰۃ اور حج کے اعمال دوسروں کے مشاہدہ میں آتے ہیں اور انہیں کوئی پوشیدہ رکھنا چاہے بھی تو نہیں رکھ سکتا‘ مگر روزہ کی نوعیت سراسر منفی ہے‘ وہ کچھ کاموں کے نہ کرنے سے وجود میں آتی ہے۔ اس امتیازی وصف کی وجہ سے قرآن نے ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ کے الفاظ استعمال کیے‘ کسی اور عبادت کے ساتھ ان الفاظ کا اعادہ نہیں کیا گیا۔ روزے کی اسی منفرد شان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس عبادت کو اپنے لیے خاص فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ : كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ لَهٗ اِلَّا الصِّيَامَ فَاِنَّهٗ لِيْ وَاَنَا اَجْزِيْ بِهٖ)) (۲)

’’اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ابن آدم کا ہر عمل اُس کے لیے ہے‘ سوائے روزے کے۔ روزہ خاص میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا (خصوصی) بدلہ دوں گا۔‘‘

روزہ اور روزمرّہ کے معاملات

روزہ میں صرف فاقہ مطلوب نہیں‘ اس لیے کہ کھانے‘ پینے اور جنسی خواہش سے اجتناب روزہ کی ظاہری اور قانونی صورت ہے‘ اور اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ روزہ کی حقیقی شان پیدا ہو۔ اسی لیے حضور ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِيْ اَنْ يَّدَعَ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ)) (۳)

’’جس کسی نے (روزے کی حالت میں) جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر عمل کرنا نہ چھوڑا تو (وہ

جان لے کہ) اللہ کو اس بات کی کوئی ضرورت نہیں کہ وہ شخص اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔''

روزہ —— متنوّع سرگرمیوں کا جامع

اگر ہم روزے سے متعلق سرگرمیوں پر غور کریں تو ہر سرگرمی میں متعدد اسباق مضمر نظر آتے ہیں۔ اسلام کا اصل مزاج مبرہن دکھائی دیتا ہے اور دین کا ایک واضح' صاف وشفاف چہرہ نکھر کر سامنے آتا ہے کہ یہاں جُہد وسعی اور کوشش تو مطلوب ہے مگر نفس کشی کا کوئی گزر نہیں۔ صبر وضبط' تحمل' بردباری' قناعت کی خصوصیات استحسان کا درجہ پاتی ہیں' مگر اللہ کی نعمتوں' نوازشوں سے محرومی پسندیدہ نہیں۔ اسی طرح اسلام کا رہبانیت سے کوئی واسطہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں مسلسل روزے رکھنے سے منع کیا گیا اور اسی طرح دو یا دو سے زائد دنوں کو ملا کر (بلاسحری وافطار) روزہ رکھنے سے بھی منع کیا گیا۔ سفر کے دوران روزہ کی رخصت دی گئی ہے۔ سحری کھانے اور سحری میں تاخیر کو باعث برکت اور جلدی افطار کرنے کو حالتِ خیر میں رہنے کا سبب قرار دیا گیا ہے۔ روزہ کے ان اصول وضوابط سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام نفس کشی کی ترغیب نہیں دیتا بلکہ ضبطِ نفس پیدا کرنے کا متمنی ہے۔ اپنے ذوق اور رجحان کو احکامِ الٰہی کے تابع رکھنے پر زور دیتا ہے تاکہ بندگی کے تقاضوں کو ٹھیک ٹھیک اسی طرح ادا کیا جائے جیسا کہ ہادیٔ اعظم ﷺ نے ہماری رہنمائی کی ہے۔

اعتکاف کا مسنون عمل

رمضان کے آخری عشرہ میں نبی مکرم ﷺ اعتکاف فرماتے تھے۔ یہ سرگرمی سنت مؤکدہ کفایہ ہے۔ آدمی دنیوی کاروبار اور روابط وتعلقات سے کٹ کر اپنے مالک حقیقی سے سرگوشیاں کرنے اور ہم کلام ہونے کے لیے مسجد میں بیٹھ جاتا ہے اور فکر وعمل کی ساری قوتوں کو اللہ عزوجل کی یاد اور عبادت میں لگا دیتا ہے۔ اپنے من میں ڈوب کر اپنا سراغ پانے کے لیے کوشاں ہوتا ہے۔ زندگی کی گزری ہوئی گھڑیوں پر غور کرتا ہے' اپنا احتساب کرتا ہے' آئندہ احتیاط کا عزم راسخ کرتا ہے اور یوں اپنے رب سے قریب ہو کر قلب وروح کا سکون حاصل کرتا ہے۔ اللہ کے گھر کو اپنا کاشانہ بنا لینے اور مسلسل غور وفکر کرنے سے اس کے دل پر سرور آمیز اثرات مرتب ہوتے ہیں اور پھر ہلالِ عید نظر آنے پر آئندہ کے لیے بندگیٔ رب کا ارادہ کرتے ہوئے اور اپنے آپ کو اس کی اطاعت وفرمانبرداری کے عہد سے استوار کرتے ہوئے اس مقدس مرحلے کی تکمیل کر لیتا ہے۔

معمولاتِ زندگی کا نرالا اسلوب

ماہِ رمضان میں معمولاتِ زندگی کا اسلوب اور انداز بھی نرالا ہے۔ سحری کی سکینت آمیز' روح پرور اور سکوت افزا ساعتوں میں بندۂ مؤمن اپنے آپ کو آہِ سحر گاہی سے سرفراز کرتا ہے' کچھ کھا پی لیتا ہے اور پھر سورج غروب ہونے تک اکل وشرب سے اپنے آپ کو روکے رکھتا ہے۔ ادھر سورج کی ٹکیا غائب ہوئی ادھر اس نے ٹھنڈے مشروب سے اپنے آپ کو شاد کام کیا۔ کام ودہن کی لذتوں سے اپنی استطاعت کے مطابق بہرہ یاب ہوا اور پھر رات کو بارگاہِ ربّ العزت میں قیام سے مشرف ہونے لگا۔ آخری عشرے کی طاق راتوں میں مبارک رات کی خیر وبرکات سے مستفید ہونے لگا اور اس آہ وبکا میں لگ گیا کہ اللہ اس کے گناہ اور قصور معاف کر دے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَ لَـهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ' وَمَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ اِيْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ)) (۴)

''جس شخص نے رمضان کے روزے رکھے ایمان اور احتساب کے ساتھ تو اس کے وہ سب گناہ معاف کر دیے جائیں گے جو اس سے پہلے سرزد ہوئے ہوں گے اور جس شخص نے لیلۃ القدر میں قیام فرمایا ایمان اور احتساب کے ساتھ تو اس کے بھی وہ سب گناہ معاف کر دیے جائیں گے جو اُس نے پہلے کیے ہوں گے۔''

حضرت سہل بن سعد سعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ فِى الْجَنَّةِ بَابًا يُقَالُ لَهُ الرَّيَّانُ يَدْخُلُ مِنْهُ الصَّائِمُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ' لَا يَدْخُلُ مِنْهُ اَحَدٌ غَيْرَ هُمْ' يُقَالُ: اَيْنَ الصَّائِمُوْنَ ؟ فَيَقُوْمُوْنَ' لَايَدْخُلُ مِنْهُ اَحَدٌ غَيْرُهُمْ' فَاِذَا دَخَلُوْا اُغْلِقَ فَلَمْ يَدْ خُلْ مِنْهُ اَحَدٌ)) (۵)

''یقیناً جنت میں ایک دروازہ ہے جسے ''ریّان'' (تروتازگی) کہا جاتا ہے' اُس دروازہ سے قیامت کے دن روزے دار داخل ہوں گے' ان کے علاوہ کوئی اُس سے داخل نہیں ہوگا۔ کہا جائے گا کہاں ہیں روزے دار؟ تو وہ کھڑے ہو جائیں گے۔ اس دروازے سے ان کے علاوہ کوئی اور داخل نہ ہوگا۔ پس جب وہ داخل ہو جائیں گے تو دروازہ بند کر دیا جائے گا اور کوئی اس میں داخل نہ ہو سکے گا۔''

گویا اللہ تعالیٰ روزے کی بے حد وحساب جزا دے گا۔ شرط یہ ہے کہ اخلاص کے ساتھ روزہ رکھا جائے' اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کیا جائے۔ یہ بندۂ مؤمن کی سعی وکوشش پر منحصر ہے کہ وہ اجر کی

بالیدگی وافزونی کے حصول کو ممکن بنائے اور اس خیر وصلاح کے پھلنے اور پھولنے کے موسم میں ربّ رحیم وکریم کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کا طالب رہے۔ روزہ دار کو اللہ تعالیٰ دو فرحتیں عطا کرتا ہے' ایک فرحت افطار کے وقت اور دوسری اپنے رب سے ملاقات کے وقت۔

((لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ يَفْرَحُهُمَا: إِذَا أَفْطَرَ فَرِحَ بِفِطْرِهِ وَإِذَا لَقِيَ رَبَّهُ فَرِحَ بِصَوْمِهِ)) (۶)

''روزے دار کے لیے خوشی کے دو مواقع ہیں جو اُسے خوش کرتے ہیں: (۱) جب وہ افطار کرتا ہے تو اپنی افطاری سے خوش ہوتا ہے۔ اور (۲) جب اپنے رب سے ملاقات کرے گا تب اپنے روزے پر خوش ہوگا۔''

اسی طرح روزے دار کے منہ کی خوشبو کے حوالے سے اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَخُلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِن رِيحِ الْمِسْكِ)) (۷)

''قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں محمد (ﷺ) کی جان ہے کہ روزے دار کے منہ کی خوشبو اللہ کو مُشک کی خوشبو سے زیادہ پسندیدہ ہے۔''

روزے کی یہ غیر معمولی فضیلت اور روزے دار کا عزوشرف اس لیے ہے کہ روزہ دار اپنی شہواتِ نفسی اور کھانے پینے کو صرف اللہ ہی کی خاطر چھوڑتا ہے۔

سرچشمۂ ہدایت کا نزول

رمضان کی عظمت وفضیلت کے لیے صرف یہ بات ہی کیا کم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں انسانیت کو سرچشمۂ ہدایت سے بہرہ مند فرمایا اور ایک عظیم رات (لیلۃ القدر) میں اپنی آخری کتاب (قرآن حکیم) نازل فرمائی تاکہ اس کے بندے تیرہ وتار فضاؤں میں بھٹکتے نہ پھریں' کفر والحاد اور شرک ومعصیت کے اندھیروں میں ٹامک ٹوئیاں نہ مارتے رہیں۔ اس نعمتِ عظمیٰ سے صحیح معنوں میں فیض یاب ہونے کے لیے تشکر وامتنان کے لیے روزوں کو فرض کیا تاکہ اس کے بندوں میں وہ خصائص پیدا ہوں جن کی وجہ سے وہ اقامت دین کا اہم فرض ادا کرنے اور اللہ کا کلمہ عملی طور پر بلند کرنے میں کامیاب ہوسکیں۔ راتوں کے قیام سے انہیں فکری غذا میسر ہو اور قرآن سن کر اور پڑھ کر ان کی روحانی قوتوں میں قابل قدر اضافہ ہو۔

روزے کے مضمرات

حاکم حقیقی صرف اللہ ہے' ازروئے الفاظِ قرآن: ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾

(یوسف: ۴۰)۔ اس کی حاکمیت کی تنفیذ اسلامی ریاست کے قیام ہی سے ممکن ہے اور اس کے لیے افراد کو تیار کرنے کی ضرورت ہے۔ صالح اور پاکیزہ افراد پر مشتمل ایک جماعت تیار ہوجائے تو اجتماعی نظام کی کامیابی کو ضمانت میسر آتی ہے۔ روزہ اللہ کی صفت حاکمیت کو یقین میں بدل دینے کا ایک اہم مظاہرہ ہے۔ اس لیے کہ اللہ کے حکم کی تعمیل میں انسان دن بھر کھانے پینے سے رکا رہتا ہے اور پھر اللہ کی دی گئی اجازت پر وہ روزہ افطار کرتا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے اس ماہِ مبارک کو شهر المواسات یعنی ہمدردی کا مہینہ فرمایا ہے اور نبی اکرم ﷺ خود بھی اس ماہ میں غیر معمولی فیاضی کا مظاہرہ فرماتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

كَانَ النَّبِيُّ ﷺ أَجْوَدَ النَّاسِ وَكَانَ أَجْوَدُ مَا يَكُوْنُ فِي رَمَضَانَ حِيْنَ يَلْقَاهُ جِبْرِيْلُ وَكَانَ جِبْرِيْلُ عليه السلام يَلْقَاهُ فِي كُلِّ لَيْلَةٍ مِنْ رَمَضَانَ فَيُدَارِسُهُ الْقُرْآنَ فَلَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَجْوَدُ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيْحِ الْمُرْسَلَةِ)) (۸)

''نبی اکرم ﷺ لوگوں کے ساتھ بہت سخی تھے اور رمضان میں جب حضرت جبرئیل علیہ السلام سے ملاقات ہوتی تھی تو یہ سخاوت (کئی گنا) بڑھ جاتی تھی۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام رمضان کی ہر رات نبی اکرم ﷺ کے پاس آتے اور قرآن کا دور کرتے۔ (اس وقت) رسول اللہ ﷺ کی لوگوں کے ساتھ بھلائی کرنے کی عادت چلتی ہوا سے بھی زیادہ ہوتی۔''

یہی وجہ تھی کہ آپ رمضان کی مبارک ساعتوں میں نہ کسی قیدی کو قید میں باقی رکھتے اور نہ کسی سائل کو محروم کرتے۔

اللہ کی نگاہ میں سب برابر ہیں اور روزہ کے دوران امیر غریب' راعی ورعایا اور تمام افراد ایک ہی حالت میں ہوتے ہیں۔ پوری فضا پر مساوات کا گہرا رنگ نمایاں ہوتا ہے اور تمام لوگ اپنے عمل سے ظاہر کر رہے ہوتے ہیں کہ اس جہانِ رنگ وبو کا اصل حاکم اور خالق صرف اللہ ہے اور سب بندے اس کے محکوم ہیں۔ وہ مالداروں کو بھی ایک ماہ تک ناداری اور فاقہ کے عملی تجربہ سے ہمکنار کرتا ہے اور یہ احساس فروزاں کرتا ہے کہ فاقہ وبھوک کے عالم میں غربت و افلاس کے ماروں کی کیفیت کیا ہوتی ہے۔ یہ روزہ ایک عملی مشق ہے جو بندۂ مؤمن کو جُہد و کوشش کا عادی بناتا ہے' اس میں صبر وعزیمت اور استقامت کی صفت پیدا کرتا ہے اور اسے اس قابل بناتا ہے کہ وہ اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے جان ومال کی قربانی دینے کے لیے تیار رہے۔ نبی مکرم ﷺ نے ماہِ صیام کو شهر الصبر' یعنی صبر کا مہینہ قرار دیا۔ ﴿وَجَاهِدُوْا فِي

اللّٰہِ حَقَّ جِھَادِہٖ﴾ کی ایک تعبیر روزہ کی صورت میں ضوفشاں ہوتی ہے۔ ملی اجتماعیت کا احساس ابھارنے میں بھی روزہ کا ایک اہم کردار ہے۔ یہ تمام تر عبادات کا ایک نہایت جامع اور ہمہ گیر تصور نمایاں کرتا ہے۔ یہ نماز بھی ہے' زکوٰۃ بھی ہے' حج بھی ہے' انفاق فی سبیل اللہ کا مظہر بھی ہے' اور جہاد وقتال کے لیے تیار کرنے کا ایک اہم ذریعہ بھی ہے۔ یہ اظہار ہے اس بات کا کہ اُمتِ مُسلمہ ایک ہی مشن اور نصب العین کی علم بردار ہے۔

آئیں' عزم کریں

ہمیں چاہیے کہ اب ہم ایمان واحتساب کے ساتھ روزہ رکھنے کا عزم کرلیں۔ اپنی زبان کو غیبت' چغلی' جھوٹ' بہتان طرازی اور لغو وفضول باتوں سے بچائیں۔ زیادہ سے زیادہ وقت ذکر وفکر اور تسبیح وتحمید میں صرف کریں۔ تدبّر اور تفکّر کے ساتھ قرآن حکیم کی تلاوت کریں۔ وقتِ سحر نماز تہجد کا اہتمام کریں' اپنے مال کا کچھ حصہ اللہ کی راہ میں صرف کریں' اپنی روزمرہ کی عادات واطوار پر غور کر کے انہیں سنواریں اور ان کو اللہ کی اطاعت کے سانچے میں ڈھالیں۔ دعوتِ دین کے لیے اپنی کاوشوں کو بروئے کار لائیں' خشوع وخضوع سے نمازیں ادا کریں' بندوں کے حقوق ادا کرنے میں کسی کوتاہی سے کام نہ لیں اور بارگاہِ ربّ العزت میں مسلسل دعائیں کرتے رہیں کہ وہ ہمیں بھلائی کے کام کرنے کی توفیق دے۔ آمین!

حواشی

(۱) صحیح مسلم' کتاب الصیام' باب فضل الصیام۔

(۲) صحیح مسلم' کتاب الصیام' باب فضل الصیام۔

(۳) صحیح البخاری' کتاب الصوم' باب من لم یدع قول الزور والعمل به فی الصوم۔

(٤) صحیح البخاری' کتاب صلاۃ التراویح' باب فضل لیلة القدر۔ وصحیح مسلم' کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا' باب فی قیام رمضان وھو التراویح۔

(٥) صحیح البخاری' کتاب الصیام' باب الریان للصائمین۔ وصحیح مسلم' کتاب الصیام' باب فضل الصیام۔

(٦) صحیح مسلم' کتاب الصیام' باب فضل الصیام۔

(۷) صحیح مسلم' کتاب الصیام' باب فضل الصیام۔

(۸) صحیح البخاری' کتاب المناقب' باب صفة النبی ﷺ۔

روزہ اور قرآن

حافظہ منزّہ رشید

قرآن وحدیث میں روزے کی فرضیت واہمیت اور فضیلت

ارشادِ ربانی ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ (البقرۃ)

''اے ایمان والو! تم پر روزہ رکھنا اسی طرح فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا تاکہ تم متقی بن جاؤ۔''

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں واضح طور پر فرما دیا ہے کہ روزہ فرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ تم متقی اور پرہیزگار بن جاؤ۔ اس سے معلوم ہوا کہ روزہ حصولِ تقویٰ کا ایک عظیم ذریعہ ہے اور تقویٰ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے عبارت ہے، یعنی صدقِ قلب سے ایسے کام کیے جائیں جن کا حکم دیا گیا ہے اور اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہوئے ایسے کاموں سے رکا جائے جن سے روکا گیا ہے، یہ تقویٰ ہے۔ گویا روزہ تقویٰ کی شاخوں میں سے ایک شاخ ہے اور اللہ کا قرب حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ بھی۔

ذیل میں روزے کی اہمیت اور فضیلت کے حوالے سے چند احادیث بطور نمونہ پیش کی جاتی ہیں:

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے روزہ کی فضیلت اور قدر و قیمت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

((كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ يُضَاعَفُ الْحَسَنَةُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ إِلَّا الصَّوْمَ فَإِنَّهُ لِيْ وَأَنَا أَجْزِيْ بِهِ، يَدَعُ شَهْوَتَهُ وَطَعَامَهُ مِنْ أَجْلِيْ، لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ فَرْحَةٌ عِنْدَ فِطْرِهِ وَفَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَاءِ رَبِّهِ،

وَلَخُلُوْفُ فِيْهِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِيْحِ الْمِسْكِ)) (۱)

''آدمی کے ہر اچھے عمل کا ثواب دس گنا سے سات سو گنا تک بڑھایا جاتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ روزہ اس عام قانون سے مستثنیٰ اور بالاتر ہے۔ وہ (بندہ کی طرف سے) خاص میرے لیے (ایک تحفہ) ہے اور میں ہی (جس طرح چاہوں گا) اس کا اجر وثواب دوں گا۔ میرا بندہ میری رضا کے واسطے اپنی خواہش نفس اور اپنا کھانا پینا چھوڑ دیتا ہے (پس میں خود ہی اپنی مرضی کے مطابق اس کی قربانی اور نفس کشی کا صلہ دوں گا)۔ روزہ دار کے لیے دو مسرتیں ہیں، ایک افطار کے وقت اور دوسری اپنے مالک و مولیٰ کی بارگاہ میں حضوری اور شرف باریابی کے وقت۔ اور روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بھی بہتر ہے (یعنی انسانوں کے لیے مشک کی خوشبو جتنی اچھی اور پیاری ہے، اللہ کے ہاں روزدار کے منہ کی بو اس سے بھی اچھی ہے)۔''

(۲) حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

((اَلصِّيَامُ جُنَّةٌ كَجُنَّةِ أَحَدِكُمْ مِنَ الْقِتَالِ)) (۲)

''روزہ (جہنم سے) ڈھال ہے جس طرح تمہاری لڑائی سے بچانے والی ڈھال ہوتی ہے۔''

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهِ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِيْ أَنْ يَّدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ)) (۳)

''جو آدمی روزہ رکھتے ہوئے باطل کلام اور باطل کام نہ چھوڑے تو اللہ کو اس کے بھوکے پیاسے رہنے کی کوئی ضرورت نہیں۔''

(۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ أَفْطَرَ يَوْمًا مِنْ رَمَضَانَ مِنْ غَيْرِ رُخْصَةٍ وَلَا مَرَضٍ لَمْ يَقْضِ عَنْهُ صَوْمُ الدَّهْرِ كُلِّهِ وَإِنْ صَامَهُ)) (۴)

''جو آدمی (سفر وغیرہ کی) شرعی رخصت کے بغیر اور بیماری (جیسے کسی عذر) کے بغیر رمضان کا ایک روزہ بھی چھوڑ دے اور پھر اس کے بجائے عمر بھر روزے رکھے تو جو چیز فوت ہوگئی وہ پوری ادا نہیں ہوسکتی۔''

(۵) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ لِلصَّائِمِ عِنْدَ فِطْرِہٖ لَدَعْوَۃً لَا تُرَدُّ)) (۵)

''افطار کے وقت روزے دار کی دعا ردّ نہیں کی جاتی۔''

(۶) حضرت سہل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِنَّ فِی الْجَنَّۃِ بَابًا یُقَالُ لَہُ الرَّیَّانُ، یَدْخُلُ مِنْہُ الصَّائِمُوْنَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ لَا یَدْخُلُ مِنْہُ اَحَدٌ غَیْرُھُمْ، یُقَالُ : اَیْنَ الصَّائِمُوْنَ، فَیَقُوْمُوْنَ لَا یَدْخُلُ مِنْہُ اَحَدٌ اَوْ غَیْرُھُمْ، فَاِذَا دَخَلُوْا اُغْلِقَ فَلَمْ یَدْخُلْ مِنْہُ اَحَدٌ)) (۶)

''جنت میں ایک دروازہ ہے جسے 'ریان' کہا جاتا ہے' قیامت کے دن اس سے صرف روزہ دار داخل ہوں گے' ان کے علاوہ اس میں سے کوئی اندر نہیں جا سکے گا۔ پکارا جائے گا روزے دار کہاں ہیں؟ وہ کھڑے ہو جائیں گے' ان کے سوا کوئی اور اس دروازے سے داخل نہیں ہوگا۔ جب یہ داخل ہو جائیں گے تو دروازہ بند کر دیا جائے گا' پھر بعد میں کوئی داخل نہ ہوگا۔''

(۶) ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَیْسَ الصِّیَامُ عَنِ الطَّعَامِ وَالشُّرْبِ اِنَّمَا الصِّیَامُ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفْثِ)) (۷)

''روزہ صرف کھانے پینے کو ترک کرنے ہی کا نام نہیں' بلکہ لغو' بے ہودہ بات اور جنسی تعلق سے بھی باز رہنے کا نام ہے۔''

(۷) اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''جب تمہارے پاس رمضان جیسا بابرکت مہینہ آتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے تمہیں ڈھانپ لیتے ہیں' گناہ معاف کر دیتے ہیں' دعا قبول فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ تمہارے ذوق وشوق کو دیکھتے ہیں' تمہاری وجہ سے فرشتوں پر فخر کرتے ہیں' پس تم بھی اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ کو بھلائی دکھاؤ۔ بے شک وہ نہایت ہی بد بخت ہے جو اس مہینے میں اللہ کی رحمت سے محروم رہا۔'' (۸)

صوم رمضان کا مفہوم

رمضان کا مادہ رمض سے مشتق ہے' جس کے معنی ہیں جلنا۔ اس مناسبت سے دو وجوہات کی بنا پر ماہِ صیام کو رمضان کا نام دیا گیا ہے: (۱) جس سال رمضان کے روزے فرض ہوئے وہ سخت گرمی کا مہینہ تھا' اس لیے اس کا نام رمضان مشہور ہو گیا۔ (۲) روزہ کی حرارت سے چونکہ روزہ دار کے گناہ جل جاتے ہیں اس لیے اس مہینے کا نام رمضان رکھا گیا۔ از روئے لغت صوم

کے معنی ''امساک'' (رک جانا) کے ہیں۔ شرعی اصطلاح میں روزہ کی تعریف یہ ہے: مسلمان کا مخصوص دنوں میں مخصوص شرائط کے ساتھ عبادت کی نیت سے صبح صادق سے غروب آفتاب تک قصداً کھانے پینے اور جنسی عمل سے رک جانا۔

روزے کے شرعی آداب اور تقاضے

ماہِ رمضان المبارک نہایت محترم اور مبارک مہینہ ہے جس کے دن میں روزہ رکھنا فرض اور اس کی راتوں میں قیام یعنی تراویح میں قرآن کا سننا سنت مؤکدہ ہے۔ اس میں ایک ایسی رات ہے جس میں شب بیداری کا ثواب ہزار مہینے سے بہتر ہے۔ رمضان کے روزے ہر عاقل و بالغ مسلمان پر فرض ہیں۔ سورۃ البقرۃ میں فرمایا:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ ؕ وَمَنْ كَانَ مَرِیْضًا اَوْ عَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ ؕ یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۫﴾ (آیت ۱۸۵)

''رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا لوگوں کے لیے ہدایت بنا کر اور ہدایت اور حق و باطل کے درمیان امتیاز کی روشن دلیلوں کے ساتھ۔ تو جو کوئی بھی تم میں سے اس مہینے کو پائے اس پر لازم ہے کہ اس کے روزے رکھے۔ اور جو بیمار ہو یا سفر پر ہو تو وہ تعداد پوری کر لے دوسرے دنوں میں۔ اللہ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے اور وہ تمہارے ساتھ سختی نہیں چاہتا۔''

رمضان کے روزے رکھنا اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے ہے۔ مریض اور مسافر کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی گئی ہے' لیکن ساتھ ہی یہ شرط بھی عائد کی گئی ہے کہ وہ بعد میں اس کی قضا کریں۔ حاملہ اور دودھ پلانے والی عورتیں بچوں کو نقصان پہنچنے کے اندیشے سے روزے نہ رکھیں تو قضا کے ساتھ ایک مسکین کو کھانا بھی کھلائیں۔ چونکہ یہ روزہ بیماری کے خوف سے نہیں چھوڑا جاتا کہ قضا کافی ہو اس لیے اس کی تلافی مسکین کو کھانے کھلانے سے کی گئی ہے۔

روزے کا مقصد اللہ تعالیٰ کا حکم بجا لانا' اس کی رضا حاصل کرنا اور اس سے قریبی تعلق استوار کرنا ہے۔ روزے سے کھانے پینے سے اجتناب اور خواہشات سے رک کر شیطان کی آمد و رفت کے راستوں کو تنگ کیا جاتا ہے۔ روزے کا مقصد خواہشات کو روکنا ہے۔ روزے

ہی سے انسان کے اندر پاکیزہ زندگی قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ نیز روزے کے فوائد واثرات روح اور بدن دونوں پر مرتب ہوتے ہیں۔

رمضان اور قرآن

ہم نے ابھی سورۃ البقرۃ کی اس آیت کا مطالعہ کیا ہے:

''ماہِ رمضان وہ (بابرکت) مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا' تمام انسانوں کے لیے ہدایت بنا کر' اس میں راہنمائی اور حق و باطل میں امتیاز کی واضح نشانیاں موجود ہیں۔''

سورۃ الدخان میں ارشاد ہے:

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ﴾

''ہم نے اس (قرآن) کو نازل کیا ہے ایک بابرکت رات میں۔''

سورۃ القدر میں وضاحت موجود ہے کہ وہ برکت والی رات ''لیلۃ القدر'' ہے جس میں نزولِ قرآن ہوا۔ قرآن جسے ھدًی للناس کہا گیا ہے' یعنی جو تمام بنی نوع انسان کے لیے ذریعہ رشد و ہدایت اور وسیلۂ حق وصداقت ہے' وہ اسی ماہِ مقدس میں ایک ذی شان رات' جو ایک ہزار مہینوں سے بھی افضل ہے' میں نازل ہوا۔ لہٰذا یہ مہینہ اسی لائق ہے کہ منعم حقیقی کی سپاس گزاری میں گزارا جائے۔ یعنی ان ایام میں روزے رکھے جائیں اور شب و روز میں زیادہ سے زیادہ قرآن مجید کی تلاوت کی جائے۔ قرآن اور رمضان کا آپس میں گہرا ربط وتعلق ہے' کیونکہ رمضان کی فضیلت قرآن میں آئی ہے اور قرآن کا نزول رمضان میں ہوا ہے۔ قرآن مجید کا رمضان شریف میں نازل ہونا' رمضان کے لیے باعثِ شرف وعظمت ہے۔ رمضان المبارک میں قرآن کریم کا نازل ہونا' حضور ﷺ کا ماہِ رمضان المبارک میں تلاوتِ قرآن کا معمول نسبتاً زیادہ رکھنا' رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جبرائیل علیہ السلام کا رمضان شریف میں دور کرنا' تراویح میں ختم قرآن کا مسنون ہونا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم' بزرگانِ دینِ اُمتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا رمضان میں تلاوت کا خاص اہتمام کرنا' یہ سب امور اس خصوصیت کو بتلاتے ہیں۔ لہٰذا اس مہینے میں تلاوتِ قرآن کے معمول کو بہ نسبت دوسرے معمولاتِ ذکر وشغل کے بڑھانا اور زیادہ کرنا چاہیے اور اہتمام کے ساتھ کثرتِ تلاوتِ قرآن میں مشغول رہنا چاہیے۔

ابتدا ہی سے رمضان خیر و برکت کا مہینہ رہا ہے۔ تورات' انجیل' زبور سبھی کتابیں اسی ماہ

میں نازل ہوئی ہیں۔ صحفِ ابراہیمی بھی اسی ماہ میں اترے اور پھر قرآن کریم کا نزول بھی اسی ماہ میں ہوا۔ اسی کے پیش نظر تقاضا بھی یہی تھا اور مناسب بھی یہی تھا کہ اس عظیم الشان نعمتِ الٰہی (قرآن مجید) کے شکریہ میں کوئی خاص عبادت مقرر ہو جو کلامِ الٰہی کے مناسب بھی ہو۔ سو اس کے لیے روزہ فرض کیا گیا جو عبادت بھی ہے اور ریاضت بھی۔ نیز مؤمن کا محبوب عمل بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ حکم بھی۔ قرآن پاک ہی حقیقی کلام الٰہی اور سراپا خیر و برکت اور ہدایت ورحمت کا مجموعہ ہے۔ چونکہ رمضان المبارک بھی سراپا خیر و برکت اور رحمت و برکت و مغفرت کے نزول کا مہینہ ہے' اس لیے اس کلامِ مقدس کے نزول کے لیے اس مہینے کے علاوہ دوسرا کوئی مہینہ مناسب نہ تھا۔ لہٰذا اللہ کی تقدیر نے بھی یہی فیصلہ صادر فرمایا کہ قرآن پاک کو اسی ماہ رمضان میں اتارا جائے تاکہ مسلمان ان دونوں سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کر سکیں۔ اسی لیے قرآن اور رمضان کا تقاضا یہ ہے کہ اس ماہ مبارک میں زیادہ سے زیادہ قرآن مجید کی تلاوت کی جائے' اس کو صحیح پڑھنے کی مشق کی جائے' اس کی آیات کا ترجمہ اور مضامین کی تفسیر پڑھی جائے تاکہ ہمیں معلوم ہو کہ اس عظیم کتاب میں ہمارا ربّ ہم سے کیا کلام فرما رہا ہے۔

قیام اللّیل (تراویح)

رمضان المبارک کا مہینہ اپنے دامن میں رحمتوں' برکتوں اور مغفرتوں کے ساتھ جلوہ افروز ہوتا ہے۔ چونکہ اس مہینے میں انوار و برکات کا نزول کثرت سے ہوتا ہے اس لیے اس مبارک مہینے میں دن کی عبادت کے بعد راتوں میں ایک خاص عبادت مقرر ہوئی' جسے قیام اللیل یا تراویح کا نام دیا گیا ہے۔ اس سے مراد راتوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا ہے۔ سورۃ الفرقان میں ربّ العزت نے رحمان کے بندوں کی جو خصوصیات بتائی ہیں ان میں سے ایک راتوں کا قیام کرنا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَـهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ' وَمَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَـهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ))(۹)

''جو لوگ رمضان کے روزے ایمان و احتساب کے ساتھ رکھیں گے ان کے سب گزشتہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے اور اسی طرح جو لوگ ایمان واحتساب کے ساتھ رمضان کی راتوں میں قیام کریں گے ان کے بھی تمام سابقہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔''

حضرت عبداللہ بن عمرو ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلصِّیَامُ وَالْقُرْآنُ یَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ‘ یَقُوْلُ الصِّیَامُ : اَیْ رَبِّ اِنِّیْ مَنَعْتُہُ الطَّعَامَ وَالشَّھَوَاتِ بِالنَّھَارِ فَشَفِّعْنِیْ فِیْہِ ‘ وَیَقُوْلُ الْقُرْآنُ : مَنَعْتُہُ النَّوْمَ بِاللَّیْلِ فَشَفِّعْنِیْ فِیْہِ ‘ فَیُشَفَّعَانِ)) (۱۰)

’’روزہ اور قرآن (قیامت کے روز) بندے کے حق میں شفاعت کریں گے۔ روزہ عرض کرے گا: اے ربّ! میں نے اس شخص کو دن میں کھانے پینے اور خواہشاتِ نفس سے روکے رکھا‘ تو اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما! اور قرآن کہے گا کہ اے پروردگار! میں نے اسے رات کے وقت سونے سے روکے رکھا‘ لہٰذا اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما! چنانچہ (روزہ اور قرآن) دونوں کی شفاعت بندے کے حق میں قبول کی جائے گی۔‘‘

اس سے مراد یہ ہے کہ روزہ اور قرآن فی الحقیقت اپنے اندر ایک شفاعت رکھتے ہیں۔ جب روزہ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے کہ اس بندے نے روزہ رکھا تو اس پیشی کے ساتھ ساتھ روزے کی یہ شفاعت بھی موجود ہوتی ہے کہ یہ بندہ آپ کی خاطر بھوکا اور پیاسا رہا‘ اس لیے اس کے جملہ بشری قصور معاف فرما دیجیے۔ اسی طرح ایک شخص رات کو جب قیام اللیل کرتا ہے اور اس میں قرآن مجید پڑھتا ہے تو وہ قرآن اللہ کے حضور پیش کیا جاتا ہے کہ آج اس بندے نے اتنا حصہ قرآن کا تلاوت کیا ہے تو قرآن کا وہ پیش کیا جانا ہی بذاتِ خود اپنے اندر شفاعت رکھتا ہے اور وہ شفاعت یہی ہے کہ اس بندے نے دن بھر کے روزے سے تھکا ماندہ ہونے کے باوجود آپ کی رضا جوئی کے لیے قرآن پڑھا ہے‘ لہٰذا اس عمل کے صدقے اس کی خطاؤں کو معاف کر دیجیے۔ تو اللہ تعالیٰ رمضان اور قرآن کی سفارش قبول فرما کر اسے اپنی خوشنودی عطا فرماتے ہیں۔

اعتکاف

اللہ ربّ العزت فرماتے ہیں: ﴿وَلَا تُبَاشِرُوْھُنَّ وَاَنْتُمْ عٰکِفُوْنَ فِی الْمَسٰجِدِ ط﴾ (البقرۃ:۱۸۷) یعنی تم اپنی بیویوں سے مباشرت مت کرو جبکہ تم مساجد میں حالت اعتکاف میں ہو۔ اعتکاف کرنا سنت مؤکدہ ہے۔ نبی کریم ﷺ پابندی سے رمضان کا آخری عشرہ اعتکاف میں گزارا کرتے تھے۔ ایک سال آپ ﷺ کسی وجہ سے اعتکاف نہ کر سکے تو اگلے سال آپ

نے دس کے بجائے بیس روز کا اعتکاف کیا۔ دورانِ اعتکاف معتکف کے لیے چند اعمال مستحب ہیں۔ مثلاً نوافل میں مشغول رہنا‘ اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرنا‘ قرآن مجید کی تلاوت کرنا‘ توبہ و استغفار کرنا‘ دعائیں مانگنا‘ قرآن مجید میں غور و فکر اور تدبر کرنا‘ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے ہر کوشش کرنا۔ علامہ ابن قیم ؒ فرماتے ہیں:

’’اعتکاف کی روح دل کو اللہ پاک کی ذات کے ساتھ وابستہ کر لینا ہے۔ معتکف کو چاہیے کہ اپنے تمام خیالات و توجہات کو یکسو کر کے اللہ جل شانہ کی طرف متوجہ ہو جائے تا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت دل میں سما جائے‘ مخلوقات کی بجائے اللہ تعالیٰ کا اُنس پیدا ہو جائے جو قبر کی وحشت میں کام آئے‘ کیونکہ وہاں رحمت خداوندی کے سوا کوئی مونس و غم خوار نہ ہوگا۔ اگر دل اللہ جل شانہ کی محبت و شوق سے بھر جائے تو وہ وقت کس لذت کے ساتھ گزرے گا اس ایک ساعت کے مقابلے میں ہفت اقلیم کی بادشاہت کچھ بھی نہیں۔‘‘

شب قدر کی عظمت

اللہ رب العزت فرماتے ہیں: ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰہُ فِیْ لَیْلَۃِ الْقَدْرِ ①﴾ (القدر) ’’بے شک ہم نے اس (قرآن) کو لیلۃ القدر میں نازل کیا‘‘۔ یوں تو رمضان المبارک کا سارا مہینہ ہی بے پناہ فیوض و برکات کا حامل ہے‘ لیکن آخری عشرہ میں ایک ایسی رات واقع ہوتی ہے جو ہزار مہینوں سے افضل ہے اور اس کو لیلۃ القدر کہتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ رمضان کے آخری عشرہ کے لیے خصوصی اہتمام فرماتے۔ راتوں کو ذکر الٰہی سے زندہ کرتے اور اہل و عیال کو بھی عبادت کے لیے جگاتے۔ تمام مخلوقات کے لیے جو کچھ تقدیر ازلی میں لکھا ہے‘ اس کا جو حصہ ماہ رمضان سے اگلے رمضان تک پیش آنے والا ہوتا ہے وہ لیلۃ القدر میں ان فرشتوں کے حوالے کر دیا جاتا ہے جو کائنات کی تدبیر اور تنفیذِ امور کے لیے مقرر ہیں۔

اس رات کو ’’قدر‘‘ کہنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں بڑی قدر و منزلت والی کتاب بڑے قدر و منزلت والے رسول ﷺ پر نازل فرمائی۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰہُ فِیْ لَیْلَۃِ الْقَدْرِ ① وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَیْلَۃُ الْقَدْرِ ② لَیْلَۃُ الْقَدْرِ ۙ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَھْرٍ ③ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِکَۃُ وَالرُّوْحُ فِیْھَا بِاِذْنِ رَبِّھِمْ ۚ مِنْ کُلِّ اَمْرٍ ④ سَلٰمٌ ۛ ھِیَ حَتّٰی مَطْلَعِ الْفَجْرِ ⑤﴾ (القدر)

’’بے شک ہم نے اس قرآن کو شب قدر میں نازل کیا ہے‘ اور تم کیا جانو کہ شب قدر کیا

ہے۔ وہ ہزار مہینوں سے بہتر (افضل) ہے۔ اس رات اپنے رب کے حکم سے فرشتے اور روح القدس نازل ہوتے ہیں۔ ہر طرح کا امر خیر اور سلامتی لاتے ہیں' حتیٰ کہ یہ سلسلہ طلوع فجر تک جاری رہتا ہے۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رمضان کا مہینہ آیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمہارے اوپر ایک مہینہ آیا ہے' جس میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے افضل ہے' جو شخص اس رات سے محروم رہ گیا وہ یقیناً ہر قسم کی بھلائی سے محروم رہ گیا۔ (ابن ماجہ)

اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ)) (۱۱)

''جو لیلۃ القدر میں ایمان و احتساب کے ساتھ نماز میں کھڑا رہے اس کے گزشتہ تمام گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔''

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اگر مجھے لیلۃ القدر کا پتا چل جائے تو میں اس میں کیا دعا کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّيْ)) (۱۲)

''اے ہمارے پروردگار! تو بہت معاف کرنے والا ہے اور معافی کو پسند کرتا ہے۔ پس مجھے بھی معاف کر دے۔''

روحِ انسانی کی غذا: قرآن حکیم

حق تعالیٰ کا کلام کسی بندے کے سینے میں آ جانا ایک بہت عظیم الشان سعادت ہے۔ انسان کا بدن اس دنیا میں بھی اور برزخ میں بھی فانی ہے' لیکن اس کی روح یہاں بھی زندہ ہے اور برزخ میں بھی' اور روح کی غذا یہی قرآن ہے۔ آپ جانتے ہیں انسان درحقیقت بدن اور روح کا مجموعہ ہے۔ جب ہم ''انسان'' بولتے ہیں تو اس سے یہی مجموعہ مراد ہوتا ہے۔ بدن عارضی اور مادی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے زمین کے اجزاء سے تیار فرمایا ہے۔ آدم کا وجود ارضی ہے اور جب اس کا یہ عارضی وجود تیار کیا گیا' یعنی ڈھانچہ تیار ہو گیا تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی جانب سے اس کے اندر روح پھونکی۔ یہ روح مادی نہیں بلکہ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ ہے' عالم بالا کی طرف سے آئی ہے' اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے نہ کہ زمین کی طرف۔ اللہ تعالیٰ نے اس آدم کے بدن کی نشوونما اور اس کی ہر ضرورت پوری کرنے کی صلاحیت اس زمین میں

رکھی۔ بدن خاکی ہے اور اس کی تمام ضروریات' خواہ کھانے پینے کی ہوں' لباس اور رہائش کی ہوں' توانائی حاصل کرنے کی ہوں' بیماری زائل کرنے کی ہوں یا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کی' سب اللہ تعالیٰ نے اس زمین سے پوری فرمائیں۔ بدن اور روح میں سے اصل روح ہے اور بدن اس کی ضرورت کے لیے ایک سواری کی حیثیت رکھتا ہے۔ روح ہمارے اندر موجود ہو تو ہم انسان کہلاتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ اس سے روح کو نکال لیتے ہیں تو اب وہ انسان نہیں ہوتا' انسان کی لاش ہوتی ہے۔ لہٰذا روح نکل جانے کے بعد بدن کو محفوظ نہیں کیا جاتا بلکہ انسان کے شرف کے طور پر اس کو ادب و احترام کے ساتھ زمین ہی میں لوٹا دیا جاتا ہے۔ روح کی ضروریات پوری کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنا علم اتارا۔ انسان کی تعلیم اور ہدایت کے لیے انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ شروع کیا اور ان پر کتابیں اور صحیفے نازل کیے۔ قرآن کریم اس سلسلۂ ہدایت کی آخری کتاب ہے' جسے ''الہدیٰ'' یعنی ہدایت تامہ قرار دیا گیا۔ اللہ ربّ العالمین کی طرف سے قرآن کا متن (text) نازل ہوا' لہٰذا سب سے زیادہ اہمیت اس کے الفاظ کی ہے۔ اس کے بعد اس کا ترجمہ ہے' پھر احادیث مبارکہ کی روشنی میں اس کی تشریح اور اس سے احکام کا استنباط ہے۔ پھر اس کی تفہیم کے لیے صرف و نحو ہے۔ گویا یہ سلسلہ اوپر سے نیچے کو ہے۔ جتنا اوپر ہوتے جائیں گے عرشِ الٰہی سے قریب ہوتے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا قرآن سے بڑھ کر کوئی ذریعہ نہیں۔ از روئے حدیث نبویؐ:

((خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهٗ)) (۱۳)

''تم میں سے بہترین وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔''

رمضان المبارک ہی وہ بابرکت مہینہ ہے جس میں ہم جسمانی و روحانی دونوں طرح سے نیکیوں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ روزہ ہوتا ہی روح کی تربیت کے لیے ہے کہ ہماری روحانی ترقی ہو۔ جب ہم نہ کھاتے ہیں' نہ پیتے ہیں' نہ تعلق زن و شو قائم کرتے ہیں تو ہمارے اندر موجود حیوانی اور شہوانی قوتیں دب جاتی ہیں اور قوائے ملکیہ کے اوپر آ جانے سے ہماری روح کو قوت ملتی ہے۔ ہمارے اندر روحانی بالیدگی پیدا ہوتی ہے اور ہماری روحانی ترقی ہوتی ہے۔

اصل میں روزہ ہمیں صبر کا سبق دیتا ہے اور صبر کا معنی ہے: منع ہو جانا' رک جانا۔ اب صبر کا یہی معنی نہیں کہ صرف کھانے پینے سے رک جاؤ' بلکہ یہ بھی ہے کہ اللہ کی نافرمانی سے رکے رہو اور نیکی پر جمے رہو۔ خواہ سولہ گھنٹے کا روزہ ہے' لیکن رکھو۔ ماہِ رمضان کی سب عبادات کا

خوشی سے کرنا اور اپنے آپ کو گناہوں سے روکنا بھی صبر ہے۔

حدیث شریف میں روزے کے بارے میں ارشاد ہے کہ اگر کسی آدمی نے کھانا نہیں کھایا' پانی نہیں پیا' بھوکا رہا' لیکن اس شخص نے جھوٹ' غیبت' چغل خوری' منکرات اور لہو و لعب کو نہیں چھوڑا تو اللہ تعالیٰ کو ایسے شخص کے روزے کی کوئی ضرورت نہیں۔ روزے کا معنی یہ نہیں کہ آپ اپنے آپ کو بھوکا اور پیاسا رکھیں' بلکہ روزے کا مقصد یہ ہے کہ ہماری اصلاحِ نفس ہو۔ اسی لیے آپ دیکھیں کہ کسی اور عمل کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں آیا:

((اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ)) (۱۴)

''روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔''

بعض محدثین نے اسے یوں بھی پڑھا ہے:

((اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اُجْزٰی بِہٖ))

''روزہ میرے لیے ہے اور اس کی جزا میں خود ہوں۔''

روزہ ہی ایک خصوصی عبادت ہے اور اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر ایسا خصوصی انعام ہے جس میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو صبر اور شکر کی تعلیم دیتا ہے۔ پھر اس کے لیے رمضان کا مہینہ مخصوص کر دیا گیا۔ رمضان کا مہینہ ایسا ہے کہ اس کا پہلا عشرہ رحمت' دوسرا عشرہ مغفرت اور تیسرا عشرہ جہنم سے آزادی کا ہے۔ پھر رمضان المبارک کا یہ عالم ہے کہ اس میں نفلی عبادات کا ثواب فرض عبادات کے برابر ملتا ہے اور فرائض کا ثواب ستر گنا بڑھ جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ ہر سال رمضان المبارک میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ قرآن کریم کا دور فرمایا کرتے تھے۔ پھر تراویح باجماعت کا سلسلہ شروع ہوا تو اُمت محمدیہؐ کا قرآن سے تعلق مزید گہرا اور پائیدار ہو گیا۔ الحمدللہ صرف رمضان کے مہینے میں پوری دنیا میں جتنا قرآن کریم پڑھا جاتا ہے' شاید سال بھر میں بھی اتنا نہ پڑھا جاتا ہو۔

رمضان المبارک میں اکابرین کا قرآن سے خصوصی تعلق

رمضان المبارک میں اکابرین امت کا تعلق بالقرآن دیدنی تھا۔ ختم قرآن میں سلف کی عادات مختلف رہی ہیں۔ بعض حضرات ایک ختم روزانہ کرتے تھے' جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا معمول یہی تھا۔ عبداللہ بن احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ میرے والد گرامی امام احمد بن حنبلؒ ہر ہفتے میں دو ختم قرآن فرماتے تھے' ایک دن کو دوسرا رات کو۔

شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ تراویح کے بعد صبح تک نوافل میں مشغول رہتے اور یکے بعد دیگرے متعدد حفاظ سے قرآن مجید سنتے رہتے تھے۔ آپ اگرچہ خود حافظ نہ تھے مگر دیگر حفاظ سے بعض تراویح میں آپ کا چھ چھ اور دس دس پارے سننے کا معمول نقل کیا گیا ہے۔

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ خاص طور پر رمضان المبارک کی راتوں میں شب بیداری کا خاص اہتمام فرماتے تھے۔ مغرب کے بعد دو حافظ اوابین میں سناتے۔ عشاء کے بعد تراویح میں نصف شب تک تین حافظ سناتے۔ اس کے بعد تہجد میں دو حافظ قرآن پاک سناتے تھے' اسی طرح پوری رات گزر جاتی تھی۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے رمضان المبارک ۱۲۷۷ھ میں سفر حجاز کے دوران روزانہ ایک ایک پارہ یاد کر کے حفظ قرآن مکمل فرمایا۔ پھر بکثرت قرآن پاک کا ورد رکھتے تھے اور تراویح میں بڑی مقدار میں قرآن پاک پڑھا کرتے تھے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا رمضان المبارک میں مجاہدہ بہت زیادہ بڑھ جاتا۔ ستّر سال کی عمر میں بھی عبادت کا یہ عالم ہوتا کہ دن بھر کے روزہ کے بعد اوابین کی بیس رکعتوں میں کم از کم دو پارے تلاوت فرماتے۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ رمضان المبارک بہت اہتمام سے گزارتے۔ تراویح میں آپ تجوید و قراءت کا پورا پورا لحاظ رکھتے۔ تہجد میں عموماً سوا پارہ پڑھنے کا معمول تھا۔

حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ کا معمول آدھی صدی سے زیادہ عرصہ تک رمضان المبارک میں یومیہ ایک قرآن ختم کرنے کا رہا۔ حضرت مولانا قاری ابومحمد محی الاسلام عثمانی پانی پتیؒ پوری رات ماہ رمضان میں سحری کے وقت تک تلاوت قرآن میں مشغول رہتے۔ شیخ القراء حضرت مولانا قاری رحیم بخش صاحب پانی پتیؒ یومیہ دو ثلث (بیس پارے) تلاوت فرماتے تھے۔

ڈاکٹر اسرار احمدؒ اور دورۂ ترجمہ قرآن

عصر حاضر میں داعی قرآن ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ نے رمضان المبارک کی بابرکت راتوں کو قرآن حکیم کے ساتھ بسر کرنے کا ایک منفرد پروگرام پیش کیا' یعنی نماز تراویح کے ساتھ ساتھ ''دورۂ ترجمہ قرآن''۔ محترم ڈاکٹر صاحبؒ نے قرآن اکیڈمی لاہور کی جامع مسجد میں ۱۹۸۴ء (۱۴۰۴ھ) کے رمضان میں اوّلین دورۂ ترجمہ قرآن کی سعادت حاصل کی تھی۔ اس پروگرام کو الحمدللہ اتنی مقبولیت حاصل ہوئی کہ دیکھتے ہی دیکھتے نہ صرف پاکستان کے طول و

عرض میں بلکہ دیگر ممالک میں بھی دورۂ ترجمہ قرآن کے پروگرام ہونے لگے‘ جن میں شائقینِ علوم قرآنی رمضان المبارک کی راتوں کا بیشتر حصہ قرآن حکیم سننے اور اس کے پیغام کو سمجھنے میں گزارتے ہیں۔

رمضان اور قرآن

قرآن ہے ہی ایسی عظیم الشان اور برکتوں والی کتاب کہ انسان جتنا اس کی نسبتوں پر غور کرتا جائے‘ اس کا دل اتنا ہی اس کی عظمتوں کے اعتراف میں جھکتا چلا جاتا ہے۔ قرآن جس مہینے میں آیا وہ مہینہ سال کے بارہ مہینوں کا سردار‘ جس رات میں آیا وہ سال کی ساری راتوں کی سردار‘ جو فرشتہ اس کو لے کر آیا وہ فرشتہ تمام ملائکہ کا سردار‘ جس زبان میں آیا وہ زبان تمام زبانوں کی سردار‘ جس نبی ﷺ پر نازل ہوا وہ تمام انبیاء و مرسلین کے سردار‘ اور جس اُمت کی ہدایت کے لیے آیا وہ تمام اُمتوں کی سردار — لیکن آج آپ دیکھیں تو وہی امّت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام مصائب کی دلدل میں پھنسی اور مشکلات کی جھاڑیوں میں الجھی نظر آتی ہے۔ بلادِ اسلامیہ کُفّار کے نرغے میں ہیں۔ المختصر امت کا حال یہ ہے کہ ع ’’تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم!‘‘

ایسے مشکل اور پریشان کن حالات میں ماہِ رمضان‘ ماہِ قرآن زخموں سے چور امت کے لیے ایک خوشخبری بن کر آیا ہے۔ ٹوٹے دلوں کو جوڑنے کے لیے اور زخموں پر مرہم رکھنے کے لیے یہ ماہِ مبارک روزہ‘ تراویح‘ تلاوت‘ دعاؤں اور مناجات کی سوغات لے کر آیا ہے۔ عربی کا مشہور مقولہ ہے: اَعْمَالُكُمْ عُمَّالُكُمْ یعنی ’’تمہارے اعمال ہی تمہارے اوپر حکمران بنتے ہیں‘‘۔ جبکہ ایک حدیث میں الفاظ آئے ہیں: ((كَمَا تَكُوْنُوْنَ كَذٰلِكَ يُؤَمَّرُ عَلَيْكُمْ))(۱۵) ’’جیسے تم ہوگے ویسے ہی تمہارے اوپر حکمران بنائے جائیں گے۔‘‘

رمضان المبارک کا مقصد صرف کھانے پینے کے نظام الاوقات میں تبدیلی نہیں‘ بلکہ یہ تو اصلاحِ احوال‘ تعلق مع اللہ اور راہِ خدا میں اپنا تن من دھن لٹانے کی مشق کروانے کا ایک مکمل نصاب ہے‘ جس کو عظمت و اہتمام کے ساتھ گزارنے کے بعد انسان کو تقویٰ کا انعام ملتا ہے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پریشانیوں سے بچنے کا راستہ‘ رزق کی برکت اور تمام معاملات میں آسانی نصیب ہوتی ہے۔

بلاشبہ ہمارے اعمال‘ ہمارے اوپر آنے والے احوال اور ہم پر مسلط ہونے والے عمال

میں گہری مناسبت ہوتی ہے۔ اگر ہم زندگی کے اس رمضان کو غنیمت سمجھتے ہوئے اپنے ربّ سے اپنا تعلق مضبوط کر لیں اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے سچے اور وفادار اُمتی بن جائیں تو انفرادی اور اجتماعی طور پر دنیا و آخرت میں سرخرو ہو سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو رمضان المبارک کی پُرنور ساعتوں‘ رحمتوں‘ برکتوں‘ نعمتوں‘ رونقوں اور بہاروں کی قدردانی کی توفیق عطا فرمائے اور اُمتِ مُسلمہ کو پریشانیوں سے نجات عطا فرما کر خوشحالی نصیب فرمائے۔ آمین!

حواشی

(۱) صحیح مسلم‘ کتاب الصیام‘ باب فضل الصیام۔ وسنن ابن ماجه ‘ کتاب الصیام‘ باب ما جاء فی الصیام۔

(۲) مسند احمد‘ ح ۱۵۶۸۲۔

(۳) صحیح البخاری‘ کتاب الصوم‘ باب من لم یدع قول الزور والعمل به فی الصوم۔

(٤) سنن الترمذی‘ کتاب الصوم‘ باب ما جاء فی الافطار متعمدا۔

(٥) سنن ابن ماجه‘ کتاب الصیام‘ باب فی الصائم لا ترد دعوته۔

(٦) صحیح البخاری‘ کتاب الصوم‘ باب الریان للصائمین۔وصحیح مسلم‘ کتاب الصیام‘ باب فی فضل الصیام۔

(۷) رواه البیهقی فی شعب الایمان۔

(۸) مجمع الزوائد‘ ج۳‘ ص ۱٤۲‘ باب فی الشهور البرکة وفضل شهر رمضان۔

(۹) صحیح البخاری‘ کتاب صلاة التراویح‘ باب فضل لیلة القدر۔ وصحیح مسلم‘ کتاب صلاة المسافرین وقصرها‘ باب فی قیام رمضان وهو التراویح۔

(۱۰) رواه البیهقی فی شعب الایمان۔ ومسند احمد ‘ ح ٦۳۳۷۔

(۱۱) صحیح البخاری‘ کتاب الصوم‘ باب من صام رمضان ایمانا واحتسابا ونیة۔

(۱۲) سنن ابن ماجه‘ کتاب الدعاء‘ باب الدعاء بالعفو والعافیة۔

(۱۳) صحیح البخاری‘ کتاب فضائل القرآن‘ باب خیرکم من تعلم القرآن وعلمه۔

(۱٤) صحیح البخاری۔وصحیح مسلم۔ وجامع الترمذی‘ کتاب الصوم‘ باب ما جاء فی فضل الصوم۔

(۱٥) رواه البیهقی فی شعب الایمان۔ بحواله مشکوة المصابیح‘ کتاب الامارة والقضاء‘ الفصل الثالث۔

❁❁❁

اعتکاف

قُربِ الٰہی کا خصوصی ذریعہ

حافظ محمد زاہد☆

رمضان المبارک بڑی ہی برکتوں' سعادتوں اور نعمتوں والا مہینہ ہے۔اس ماہ کے بہت فضائل ہیں جن کی بنا پر اس کو باقی گیارہ مہینوں پر فوقیت و برتری حاصل ہے۔اس ماہِ مبارک کی ایک خصوصی عبادت ''اعتکاف'' ہے —— لغت میں اعتکاف مطلقاً ٹھہرنے کا نام ہے' جبکہ اسلامی نقطہ نگاہ سے اعتکاف کی نیت اور روزے کے ساتھ اللہ کی رضا جوئی اور تقرّب کے حصول کے لیے ایک خاص مدت کے لیے مسجد میں ٹھہرنے کا نام اعتکاف ہے۔

اعتکاف کی اقسام

اعتکاف کی تین قسمیں ہیں:

(۱) نفلی اعتکاف —— علماء نے لکھا ہے کہ جب بھی کوئی شخص نماز وغیرہ کی غرض سے مسجد میں آئے تو اسے چاہیے کہ اعتکاف کی نیت کر لے۔اس طرح اب یہ شخص جتنی دیر بھی مسجد میں رہے گا یہ معتکف شمار ہوگا۔اس اعتکاف کی شرعی حیثیت مستحب کی ہے۔

(۲) واجب اعتکاف —— اگر کوئی شخص اعتکاف کی نذر مانتا ہے تو اس پر اعتکاف کرنا واجب ہے۔اگر یہ شخص اعتکاف نہیں کرتا تو اسے واجب چھوڑنے کا گناہ ہوگا۔اس حوالے سے ایک حدیث ملاحظہ ہو۔حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا:

اِنِّیْ نَذَرْتُ فِی الْجَاهِلِیَّةِ اَنْ اَعْتَكِفَ لَیْلَةً فِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ' فَقَالَ لَهُ النَّبِیُّ ﷺ :((اَوْفِ نَذْرَكَ))(۱)

''میں نے جاہلیت کے زمانہ میں نذر مانی تھی کہ ایک رات مسجد حرام میں اعتکاف کروں گا۔تو آپؐ نے فرمایا: ''اپنی نذر کو پورا کرو۔''

☆ادارتی معاون' قرآن اکیڈمی' شعبہ مطبوعات' لاہور۔ 03214291904

اس حوالے سے یہ بات نوٹ کر لیں کہ جس نے ایک رات کے اعتکاف کی نذر مانی اس کے ذمے ایک دن کا اعتکاف بھی لازم ہے۔

(۳) مسنون اعتکاف —— بیسویں روزے کے سورج غروب ہونے سے لے کر شوال کا چاند نظر آنے تک یعنی رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف کرنا مسنون عمل ہے اور اس کی شرعی حیثیت سنت مؤکدہ علی الکفایہ کی ہے' یعنی اگر ایک محلے میں سے چند لوگ اعتکاف کر لیں تو وہ سارے محلّہ کی طرف سے کفایت کر جائے گا اور اگر اس محلے میں سے کوئی بھی اعتکاف نہیں کرتا تو سارا محلّہ گناہ گار ہوگا۔اسی لیے علماء نے لکھا ہے کہ اگر محلے میں سے کوئی خود سے اعتکاف کے لیے تیار نہ ہو تو محلّہ داروں کو چاہیے کہ کسی کو ضرور اعتکاف کے لیے تیار کریں۔

اگر کوئی شخص آخری عشرہ میں سے صرف چند دن' مثلاً چھبیسویں روزے کے غروبِ آفتاب سے شوال کا چاند نظر آنے تک اعتکاف کرتا ہے تو اس کا یہ اعتکاف نفلی ہوگا۔اس لیے کہ مسنون اعتکاف صرف وہی ہے جو رمضان کے مکمل آخری عشرہ کا ہو۔

نبی آخر الزماں ﷺ کا معمول یہی تھا کہ آپؐ بیسویں روزے کے غروبِ آفتاب سے لے کر شوال کا چاند نظر آنے تک اعتکاف فرماتے تھے۔اس بارے میں اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ملاحظہ ہو۔وہ بیان کرتی ہیں:

اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ كَانَ یَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْاَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ حَتّٰی تَوَفَّاهُ اللّٰهُ ثُمَّ اعْتَكَفَ اَزْوَاجُهُ مِنْ بَعْدِهٖ (۲)

''نبی اکرم ﷺ رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کیا کرتے تھے یہاں تک کہ اللہ نے آپؐ کو اٹھا لیا۔پھر آپؐ کے بعد آپؐ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن بھی اعتکاف کرتی تھیں۔''

اعتکاف کے فضائل

اعتکاف کے فضائل کے بارے میں کتب احادیث بھری پڑی ہیں۔ان میں سے چند احادیث ذیل میں بیان کی جا رہی ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اعتکاف کرنے والے کے بارے میں فرمایا:

((هُوَ یَعْكِفُ الذُّنُوْبَ وَیُجْرٰی لَهٗ مِنَ الْحَسَنَاتِ كَعَامِلِ الْحَسَنَاتِ كُلِّهَا))(۳)

''وہ گناہوں سے محفوظ رہتا ہے اور اس کے لیے نیکیوں کا سلسلہ تمام نیکی کرنے والوں

کی مانند جاری رہتا ہے۔‘‘

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنِ اعْتَكَفَ يَوْمًا اِبْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ جَعَلَ اللّٰهُ بَيْنَهُ وَ بَيْنَ النَّارِ ثَلَاثَ خَنَادِقَ ، كُلُّ خَنْدَقٍ اَبْعَدُ مِمَّا بَيْنَ الْخَافِقَيْنِ)) (٤)

’’جو شخص اللہ کی رضا کے لیے ایک دن اعتکاف کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے اور دوزخ کے درمیان تین خندقوں کا فاصلہ کر دیتا ہے (جس میں سے) ہر خندق مشرق سے مغرب کے درمیانی فاصلے سے زیادہ لمبی ہے۔‘‘

(۳) حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنِ اعْتَكَفَ عَشْرًا فِيْ رَمَضَانَ كَانَ كَحَجَّتَيْنِ وَ عُمْرَتَيْنِ)) (٥)

’’جس شخص نے رمضان المبارک میں دس دن کا اعتکاف کیا اس کا ثواب دو حج اور دو عمرہ کے برابر ہے۔‘‘

نبی اکرم ﷺ کا غارِ حرا میں اعتکاف

نبی اکرم ﷺ نبوت ملنے سے قبل غارِ حرا میں اعتکاف کیا کرتے تھے اور اس اعتکاف کے بعد آپؐ کو ربّ العالمین کی طرف سے قرآن مجید جیسا لازوال انعام عطا فرمایا گیا۔ مولانا محمد منظور نعمانیؒ اس حوالے سے رقم طراز ہیں:

’’نزولِ قرآن سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی طبیعت مبارک میں سب سے یکسو اور الگ ہو کر تنہائی میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے ذکر و فکر کا جو بیتابانہ جذبہ پیدا ہوا تھا، جس کے نتیجہ میں آپ مسلسل کئی مہینے تک غارِ حرا میں خلوت گزینی کرتے رہے، یہ گویا آپؐ کا پہلا اعتکاف تھا اور اس اعتکاف ہی میں آپؐ کی روحانیت اس مقام تک پہنچ گئی تھی کہ آپ ﷺ پر قرآن مجید کا نزول شروع ہو جائے۔ چنانچہ حرا کے اس اعتکاف کے آخری ایام ہی میں اللہ کے حاملِ وحی فرشتے جبرائیل سورۂ اقرأ کی ابتدائی آیات لے کر نازل ہوئے — تحقیق یہ ہے کہ یہ رمضان المبارک کا مہینہ اور اس کا آخری عشرہ تھا اور وہ رات شب قدر تھی، اس لیے بھی اعتکاف کے لیے رمضان مبارک کے آخری عشرہ کا انتخاب کیا گیا۔‘‘ (٦)

معتکف، اللہ ربّ العزت کا مہمان

کوئی شخص جب کسی کا مہمان بنتا ہے تو میزبان کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے مہمان کی

خدمت میں کوئی کسر نہ چھوڑے اور اس کے لیے میزبان سے جو بن پاتا ہے وہ کرتا ہے۔ اب آپ معتکف کی حیثیت کا اندازہ لگائیں جو اللہ ربّ العزت کا مہمان ہے اور جس شخص کا میزبان خود اللہ تعالیٰ کی ذات ہو تو اس سے بڑھ کر کوئی اور فضیلت انسان کے لیے کیا ہو سکتی ہے۔ ’’مظاہر حق‘‘ شرح مشکوٰۃ میں معتکف کی اس حیثیت کو ایک مثال سے سمجھایا گیا ہے:

’’معتکف کی مثال اس شخص کی سی ہے جو بادشاہ کے دروازے پر پڑ جائے اور اپنی درخواست و حاجت پیش کرتا رہے، اسی طرح معتکف بھی گویا زبانِ حال سے کہتا ہے: اے میرے مولیٰ، اے میرے پروردگار! میں تیرے دروازے پر پڑا رہوں گا اور اُس وقت تک نہیں ٹلوں گا جب تک تو میری بخشش نہیں کرے گا، میرے مقاصد پورے نہیں کرے گا، اور میرے دینی و دنیوی غم و آلام دور نہیں کرے گا۔‘‘ (۷)

اعتکاف: قربِ الٰہی کا خصوصی ذریعہ

اسلام سے قبل کے مذاہب میں خالق کائنات کا قرب حاصل کرنے کے لیے رہبانیت اختیار کی جاتی تھی۔ دنیاداری اور ساری معاشرت چھوڑ چھاڑ کر جنگلوں کا رخ کیا جاتا تھا جس کا واحد مقصد خالقِ کائنات کا قرب تھا۔ لیکن اسلام نے رہبانیت کو ناجائز قرار دیا اور انسان کو معاشرے میں رہتے ہوئے قربِ الٰہی حاصل کرنے کی ترغیب دی۔ اگر نظرِ غائر سے دیکھا جائے تو ’’اعتکاف‘‘ وہ عبادت ہے جس میں خصوصیت کے ساتھ قربِ الٰہی حاصل ہوتا ہے بایں طور کہ انسان سب کچھ چھوڑ کر اللہ سے لو لگانے کے لیے اس کے در پر حاضر ہو جاتا ہے۔ اب اگر اعتکاف کو مکمل آداب کی رعایت رکھتے ہوئے ادا کیا جائے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ معتکف کو قربِ الٰہی حاصل نہ ہو۔

اعتکاف: لیلۃ القدر کی تلاش کا ذریعہ

اعتکاف کا ایک عظیم مقصد یہ بھی ہے کہ اس میں لیلۃ القدر جیسی افضل رات کو تلاش کرنے کا موقع ملتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ خود بھی اعتکاف میں لیلۃ القدر کو تلاش کرتے تھے اور اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھی لیلۃ القدر کی تلاش کا حکم فرماتے تھے۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْوِتْرِ مِنَ الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ)) (۸)

شب قدر کو رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔‘‘

حضرت عائشہ ؓ کی ایک روایت میں لیلۃ القدر کے حوالے سے ایک خصوصی دعا مذکور ہے:

((اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ کَرِیْمٌ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ)) (۹)

''اے اللہ! تو بہت معاف فرمانے والا اور کرم فرمانے والا ہے اور معاف کر دینا تجھے بہت پسند ہے' پس تو میری خطائیں معاف فرما دے۔''

معتکف کا حجرہ' سنتِ نبویؐ کے عین مطابق ہے

عام طور پر معتکف کے لیے مساجد میں چادروں سے ایک خیمہ بنایا جاتا ہے جس کا مقصد عبادات میں یکسوئی اور بندہ اور اس کے رب کے درمیان تنہائی کے لمحات پیدا کرنا ہے۔ یہ خیمہ بنانا سنت نبویؐ کے عین مطابق ہے۔ اس لیے کہ احادیث میں موجود ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے لیے بھی اعتکاف کے دوران مسجد میں خیمہ بنایا جاتا تھا۔ حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں:

کَانَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ حَصِیْرٌ یُبْسَطُ بِالنَّھَارِ وَیَحْتَجِرُہٗ بِاللَّیْلِ وَیُصَلِّیْ اِلَیْہِ (۱۰)

''رسول اللہ ﷺ کی ایک چٹائی تھی جس کو آپؐ دن میں بچھاتے اور رات کو اسی سے حجرہ سا بنا لیتے (تاکہ یکسوئی حاصل ہو) اور اس کی طرف نماز ادا فرماتے۔''

اعتکاف کی قضا

اگر کوئی شخص بیسویں روزے کے سورج غروب ہونے پر اعتکاف میں بیٹھ گیا لیکن پھر کسی وجہ سے وہ اپنے اس عتکاف کو پورا نہ کر سکا تو اب اس پر قضا ہے یا نہیں؟ یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ البتہ احادیث میں یہ موجود ہے کہ ایک سال نبی اکرم ﷺ اعتکاف نہ کر سکے تو آپ نے اگلے سال بیس دنوں کا اعتکاف فرمایا۔ حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے:

کَانَ النَّبِیُّ ﷺ یَعْتَکِفُ فِی الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ فَلَمْ یَعْتَکِفْ عَامًا فَلَمَّا کَانَ فِی الْعَامِ الْمُقْبِلِ اِعْتَکَفَ عِشْرِیْنَ (۱۱)

''نبی اکرم ﷺ رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف کیا کرتے تھے' ایک مرتبہ (کسی وجہ سے) اعتکاف نہ کر سکے تو آئندہ سال بیس دن کا اعتکاف کیا۔''

امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد اعتکاف کی قضا کے بارے میں موجود فقہی اختلاف کو بھی بیان کیا ہے' جس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک اعتکاف کی قضا واجب ہے' اس لیے کہ اس نے ایک دن اعتکاف کر کے توڑ دیا اور اصول یہ ہے کہ نفل کو اگر شروع کر کے توڑ دیا جائے تو اس کی قضا واجب ہوتی ہے۔ جبکہ امام شافعیؒ کے

نزدیک اگر یہ اعتکاف نذر یا خود اپنے اوپر واجب کیا ہوا نہیں تھا تو اس کی قضا واجب نہیں' البتہ اگر اس کی چاہت ہو تو قضا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

خواتین کا اعتکاف

اعتکاف اپنے اندر بہت سے فضائل لیے ہوئے ہے' اس لیے خواتین کو بھی چاہیے کہ اعتکاف کریں اور بہت سے اجر وثواب کی مستحق قرار پائیں۔ ماقبل بیان کردہ حضرت عائشہ ؓ کی روایت میں یہ بیان ہوا کہ ازواج مطہرات ؓ بھی اعتکاف کیا کرتی تھیں:

''نبی اکرم ﷺ رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرتے تھے یہاں تک کہ اللہ نے آپؐ کو اٹھا لیا۔ پھر آپؐ کے بعد آپؐ کی بیویاں بھی اعتکاف کرتی تھیں۔''

خواتین کے اعتکاف کے حوالے سے یہ نوٹ کر لیں کہ ان کا اعتکاف گھر کی چار دیواری کے اندر ہوگا اور ان کا مسجد میں اعتکاف کرنا مکروہ ہے۔ صاحبِ ''مظاہرِ حق'' نے مندرجہ بالا روایت بیان کرنے کے بعد اس کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

''حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کے وصال کے بعد آپؐ کی ازواج مطہرات ؓ اپنے گھروں میں اعتکاف کیا کرتی تھیں۔ اسی لیے فقہاء نے لکھا ہے کہ عورتوں کے لیے مستحب ہے کہ وہ مسجد البیت یعنی گھر کی مسجد میں اعتکاف کریں۔ اگر مسجد البیت نہ ہو تو مکان کے کسی حصہ کو مسجد قرار دے کر اس میں اعتکاف کریں اور بلاضرورت اس حصہ سے باہر نہ نکلیں۔ مکان کا وہ حصہ ہی ان کے حق میں مسجد کے حکم میں ہو جائے گا چنانچہ عورتوں کو مسجد میں اعتکاف کرنا مکروہ ہے۔'' (۱۲)

روزہ اور مسجد اعتکاف کے لیے لازم ہیں!

مسنون اعتکاف کی لازمی شرط یہ ہے کہ معتکف روزہ کی حالت میں ہو اور اگر اعتکاف کے دوران کسی عذر یا بغیر کسی عذر کے اس کا روزہ چھوٹ جائے یا روزہ ٹوٹ جائے تو اس کا اعتکاف ختم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی خاتون کو دورانِ اعتکاف حیض شروع ہو جائے یا اس کا کوئی روزہ چھوٹ یا ٹوٹ جائے تو اس کا اعتکاف ختم ہو جائے گا۔

مرد حضرات کے لیے مسجد میں اعتکاف کرنا ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص مسجد کے علاوہ اپنے گھر یا کسی اور جگہ اعتکاف کی نیت سے ٹھہرتا ہے تو یہ اعتکاف شمار نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ قرآن حکیم میں مساجد میں اعتکاف کرنے کا ذکر ہے۔ فرمایا: ﴿.....وَاَنْتُمْ عٰکِفُوْنَ فِی الْمَسٰجِدِ ؕ﴾ (البقرۃ:۱۸۷) ''.....جبکہ تم مساجد میں اعتکاف کی حالت میں ہو۔''

اس حوالے سے حضرت عائشہ صدیقہ ؓ کا قول ملاحظہ ہو۔ وہ فرماتی ہیں:

.....وَلَا اِعْتِكَافَ اِلَّا بِصَوْمٍ وَلَا اِعْتِكَافَ اِلَّا فِيْ مَسْجِدٍ جَامِعٍ (۱۳)

''.....اور اعتکاف بغیر روزہ کے صحیح نہیں ہے اور اعتکاف صرف جامع مسجد میں ہوگا۔''

اس حدیث میں '' مَسْجِدٍ جَامِعٍ '' کے الفاظ آئے ہیں۔ مسجد جامع سے مراد وہ مسجد ہے جس میں لوگ باجماعت نماز پڑھتے ہوں' چنانچہ اعتکاف اسی مسجد میں صحیح ہوگا جس میں پانچوں وقت کی نماز جماعت سے پڑھی جاتی ہو' جبکہ وہ مسجد جس میں جمعہ ہوتا ہو اس میں اعتکاف کرنا اور بھی افضل ہے — علماء اس حوالے سے لکھتے ہیں کہ افضل اعتکاف وہ ہے جو مسجد حرام میں ہو' پھر وہ جو مسجد نبوی میں ہو' پھر وہ جو مسجد اقصیٰ یعنی بیت المقدس میں ہو' پھر وہ جو جمعہ والی مسجد میں ہو' اور پھر وہ جو اس مسجد میں ہو جس میں پانچوں نمازوں کی جماعت ہوتی ہو۔

ممنوعاتِ اعتکاف

ذیل میں مذکور حضرت عائشہ صدیقہ ؓ کے قول میں ممنوعاتِ اعتکاف کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں:

اَلسُّنَّةُ عَلَى الْمُعْتَكِفِ اَنْ لَا يَعُوْدَ مَرِيْضًا وَلَا يَشْهَدَ جَنَازَةً وَلَا يَمَسَّ امْرَأَةً وَلَا يُبَاشِرَهَا وَلَا يَخْرُجَ لِحَاجَةٍ اِلَّا لِمَا لَا بُدَّ مِنْهُ (۱۴)

''معتکف کے لیے مسنون یہ ہے کہ وہ مریض کی عیادت نہ کرے' اور نہ جنازہ میں شریک ہو' اور نہ اپنی بیوی کو مس کرے اور نہ اس سے ہم بستری (ازدواجی تعلق قائم) کرے' اور نہ نکلے مگر کسی ایسی ضرورت کے لیے کہ جس کے بغیر نکلے کوئی چارہ نہ ہو۔''

(۱) مریض کی عیادت کرنا: معتکف کے لیے مریض کی عیادت کرنا ممنوع ہے' البتہ معتکف اگر قضائے حاجت یا جمعہ کے لیے کسی اور مسجد میں جا رہا ہو اور راستے میں کسی مریض سے ملاقات ہو تو چلتے چلتے اس کی عیادت کر سکتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا بھی یہی معمول تھا کہ آپ چلتے چلتے مریض کا حال پوچھ لیا کرتے تھے۔

(۲) نمازِ جنازہ میں شرکت کرنا: معتکف کا نمازِ جنازہ میں شرکت کرنا بھی ممنوع ہے' اس لیے کہ نمازِ جنازہ مسجد کی حدود سے باہر ادا کیا جاتا ہے اور معتکف کا مسجد سے باہر نکلنا ممنوع ہے۔ البتہ اگر بارش وغیرہ کی وجہ سے جنازہ مسجد کی حدود میں ادا کیا جائے تو معتکف اس جنازہ میں شرکت کر سکتا ہے۔

(۳) بیوی سے ہم بستری کرنا: حالت اعتکاف میں بیوی سے ہم بستری (یعنی ازدواجی تعلق قائم) کرنا بھی ممنوع ہے۔ چنانچہ ایسا نہ ہو کہ کوئی شخص قضائے حاجت کے لیے اپنے گھر جائے اور

وہاں اپنی بیوی سے ہم بستری کر لے۔ یہ ممنوع ہے اور ایسا کرنے سے اعتکاف باطل ہو جاتا ہے۔

(۴) بیوی کو مس کرنا: معتکف کا بیوی کا بوسہ لینا یا اس سے گلے ملنا یا اسے چھونا بھی ممنوع ہے۔ اس لیے کہ یہ سارے کام بھی ہم بستری کی طرف لے جاتے ہیں۔

(۵) بغیر شرعی عذر مسجد کی حدود سے باہر نکلنا: کسی شرعی عذر کے بغیر یعنی قضائے حاجت یا غسل جنابت کے علاوہ کسی اور وجہ سے مسجد سے باہر نکلنا بھی ممنوع ہے۔ واجب غسل کے علاوہ عام غسل کے بارے میں بھی علماء کی رائے یہی ہے کہ معتکف عام غسل کے لیے نہ نکلے۔ البتہ جب وہ قضائے حاجت کے لیے جائے تو اپنے جسم پر جلدی جلدی پانی بہا کر واپس آ جائے۔

(۶) دنیوی باتوں میں مشغول ہونا: معتکف کا دنیوی باتوں میں مشغول ہونا بھی ممنوع ہے۔ اس لیے معتکف کو چاہیے کہ بری باتیں زبان سے نہ نکالے' نہ جھوٹ بولے اور نہ غیبت کرے۔ اسی طرح موبائل پر فضول گفتگو کرنا بھی ممنوع ہے۔ اوّل تو معتکفین حضرات موبائل اپنے ساتھ مسجد میں نہ رکھیں اور اگر کوئی مجبوری ہو تو پھر صرف ضرورت کے بقدر استعمال کریں۔

(۷) چپ رہنے کو عبادت سمجھنا: معتکف کا عبادت سمجھ کر بالکل چپ بیٹھنا بھی ممنوع ہے۔ اسلام سے پہلے کے مذاہب اور عرب کے دورِ جاہلیت میں چپ کے روزے کا تصور ملتا ہے' جبکہ اسلام میں چپ کا روزہ نہیں ہے۔ اس لیے معتکف کو چاہیے کہ دنیوی باتوں سے پرہیز کرے' لیکن دینی گفتگو میں حصہ لے اور تعلیم و تعلّم بھی کرے۔ البتہ اگر کوئی خاموش طبع شخص (عبادت سمجھے بغیر) خاموش رہتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۸) خرید و فروخت کرنا: معتکف کا حالت اعتکاف میں خرید و فروخت کرنا بھی ممنوع ہے' البتہ اگر سامان حاضر کیے بغیر خرید و فروخت کی بات ہو جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

معتکف کے لیے عبادت کا ایک شیڈول

معتکف کو چاہیے کہ رمضان کے ان دس دنوں میں کمر ہمت کس کے تلاوتِ قرآن حکیم' ترجمہ و تفہیم' ذکر و اذکار' نوافل کی کثرت' بارگاہِ الٰہی میں گڑگڑا کر مناجات اور دوسری عبادات میں مشغول ہو جائے۔ احادیث میں آتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ رمضان کے ان دس دنوں میں عبادات میں بے انتہا مشغول ہو جاتے تھے۔ حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَجْتَهِدُ فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مَا لَا يَجْتَهِدُ فِيْ غَيْرِهٖ (۱۵)

''رسول اللہ ﷺ رمضان کے آخری عشرہ میں (عبادات وغیرہ میں) اتنی کوشش کرتے

جو باقی عام دنوں میں نہیں کرتے تھے۔‘‘

ذیل میں معتکفین حضرات کے لیے اُسوۂ رسول ﷺ کی روشنی میں عبادت کا ایک شیڈول دیا جا رہا ہے جو ان شاء اللہ بہت مفید ہوگا:

۶:۳۰ تا ۸:۰۰ ☆افطاری سے قبل کے لمحات قبولیت دعا کے لیے بہت اہم ہیں۔اس وقت خصوصیت سے دعا کریں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:’’افطار کے وقت روزے دار کی دعا رد نہیں کی جاتی۔‘‘(۱۶)

☆افطاری کریں اور مغرب کی نماز تکبیر اولیٰ کے ساتھ ادا کریں۔

☆صلوٰۃ الاوابین کی چھ رکعت (دو دو کر کے) ادا کریں۔ نبی اکرم ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا:’’جو شخص مغرب کے بعد چھ رکعات (صلوٰۃ الاوابین) پڑھے اور ان کے درمیان کوئی بری بات نہ کرے تو اس کو بارہ برس کی عبادت کا ثواب ملتا ہے۔‘‘(۱۷)

۸:۰۰ تا ۸:۳۰ ☆کھانا کھائیں اور ذکر و اذکار میں مشغول رہیں۔

۸:۳۰ تا ۱۱:۰۰ ☆عشاء کی نماز، تراویح اور وتر صفِ اول میں تکبیرِ اولیٰ کے ساتھ ادا کریں۔

۱۱:۰۰ تا ۱۲:۰۰ ☆کچھ کھا پی لیں اور تھوڑا آرام کر لیں تا کہ باقی رات آپ کو عبادات میں تھکاوٹ محسوس نہ ہو۔

۱۲:۰۰ تا ۳:۰۰ ☆نوافل ادا کریں، تلاوت کریں اور ذکر و اذکار میں مشغول رہیں۔

☆نمازِ تہجد کے آٹھ نوافل ادا کریں۔نمازِ تہجد کی بہت فضیلت ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:’’فرض نماز کے بعد (مرتبہ کے لحاظ سے) افضل نماز رات (تہجد) کی نماز ہے۔‘‘(۱۸)

☆اس موقع پر خصوصیت کے ساتھ اپنی اور اپنے والدین کی بخشش اور جہنم سے خلاصی کی دعائیں مانگیں۔اس لیے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ’’ہمارا مالک اور رب تبارک وتعالیٰ ہر رات کے آخری تہائی حصہ میں آسمانِ دنیا کی طرف نزول کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ کون ہے جو مجھ سے دعا کرے کہ میں اس کی دعا قبول کروں، کون ہے جو مجھ سے مانگے کہ میں اس کو عطا کروں، اور کون ہے جو مجھ سے بخشش چاہے کہ میں اس کو بخش دوں۔‘‘(۱۹)

۳:۰۰ تا ۴:۰۰ ☆سحری کھائیں اس لیے کہ سحری کھانا بھی باعثِ برکت ہے۔

۴:۰۰ تا ۶:۰۰ ☆نمازِ فجر صف اول میں تکبیر اولیٰ کے ساتھ ادا کریں۔

☆سورج طلوع ہونے کے بیس منٹ بعد تک تلاوت کریں اور ذکر و اذکار میں مشغول رہیں۔

☆نمازِ فجر کے بعد سے سورج طلوع ہونے تک نوافل مت پڑھیں، اس لیے کہ یہ ممنوع وقت ہے۔

☆سورج طلوع ہونے کے بیس منٹ بعد (آج کل کے وقت کے مطابق تقریباً ۵:۴۰ پر) نمازِ اشراق ادا کریں۔اس کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:’’جو کوئی نمازِ فجر پڑھ کر اسی جگہ بیٹھا رہے اور (سورج بلند ہونے کے بعد) ضحیٰ (نمازِ اشراق) کے دو نفل پڑھے اور اس دوران میں نیک بات کے سوا کوئی لفظ زبان پر نہ لائے تو اس کے سارے سابقہ گناہ بخش دیے جائیں گے اگرچہ وہ سمندر کی جھاگ سے زیادہ ہی کیوں نہ ہوں۔‘‘(۲۰)

۶:۰۰ تا ۱۱:۳۰ ☆سو جائیں۔اس لیے کہ چوبیس گھنٹوں میں پانچ چھ گھنٹے سونا صحت کے لیے ضروری ہے۔

۱۱:۳۰ تا ۱۲:۰۰ ☆نمازِ چاشت کے آٹھ نوافل (دو دو کر کے) ادا کریں۔حضرت اُم ہانیؓ بنت ابی طالب فرماتی ہیں:’’فتح مکہ کے دن نبی اکرم ﷺ نے چاشت کی آٹھ رکعات ادا کیں اور ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرا‘‘(۲۱)۔اسی طرح چاشت کی نماز کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:’’جس نے چاشت کی بارہ رکعات پڑھیں اللہ تعالیٰ جنت میں اس کے لیے سونے کا محل بنائیں گے۔‘‘(۲۲)

۱۲:۰۰ تا ۱:۰۰ ☆تلاوتِ کلام پاک کریں، ذکر و اذکار کریں اور نوافل پڑھیں۔

۱:۰۰ تا ۲:۰۰ ☆نمازِ ظہر باجماعت، صف اول میں تکبیر اولیٰ کے ساتھ ادا کریں۔

۲:۰۰ تا ۳:۰۰ ☆باقی معتکفین حضرات کے ساتھ دینی موضوعات پر گفتگو کریں یا دینی مسائل کو زیر بحث لائیں اس سے آپ تعلیم و تعلّم کے اجر کے بھی مستحق قرار پائیں گے۔

۳:۰۰ تا ۴:۴۵ ☆ایک گھنٹہ پھر آرام کر لیں اس لیے کہ اس کے بعد آرام کا موقع اگلے دن صبح ہی ملے گا اور اگر وقت ملے تو تلاوتِ کلامِ پاک کریں۔

۴:۴۵ تا ۶:۳۰ ☆ نمازِ عصر صفِ اول میں تکبیرِ اولیٰ کے ساتھ ادا کریں۔
☆ ذکر واذکار اور تلاوتِ کلام پاک کریں۔
☆ نمازِ عصر کے بعد سے سورج غروب ہونے تک نوافل مت پڑھیں' اس لیے کہ یہ ممنوع وقت ہے۔

آخر میں تمام معتکفین حضرات سے درخواست ہے کہ پوری اُمتِ مسلمہ' خصوصاً پاکستان کے لیے دعا گو ہوں اور راقم الحروف کے لیے بھی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ راقم کو اپنے دین کی خدمت کے لیے قبول فرمائے۔ آمین یارب العالمین!

حواشی

(۱) صحیح البخاری' کتاب الاعتکاف' باب من لم یر علیه صوما اذا اعتکف۔
(۲) صحیح البخاری' کتاب الاعتکاف' باب الاعتکاف فی العشر الاواخر .....
(۳) سنن ابن ماجه' کتاب الصیام'باب فی ثواب الاعتکاف۔
(٤) رواه البیهقی فی شعب الایمان۔ (٥) ایضاً۔
(٦) معارف الحدیث' ج٤'ص٣٥٧۔
(۷) مظاهر حق' شرح مشکوٰة' محمد قطب الدین' ج۲' ص ۱۹۹۔
(۸) صحیح البخاری' کتاب صلاة التراویح' باب تحری لیلة القدر فی الوتر من العشر الاواخر۔
(۹) سنن الترمذی'کتاب الدعوات'باب منه۔
(۱۰) سنن ابن ماجه' کتاب اقامة الصلاة والسنة فیها' باب ما یستر المصلی۔
(۱۱) سنن الترمذی'کتاب الصوم' باب ما جاء فی الاعتکاف اذا خرج منه۔
(۱۲) مظاهر حق' ج۲' ص ۲۰۳۔
(۱۳) سنن ابی داؤد' کتاب الصوم' باب المعتکف یعود المریض۔ (۱٤) ایضاً۔
(۱٥) صحیح مسلم' کتاب الاعتکاف' باب الاجتهاد فی عشر الاواخر من رمضان۔
(۱٦)سنن ابن ماجه' کتاب الصیام' باب فی الصائم لا ترد دعوته۔
(۱۷) سنن الترمذی'کتاب الصلاة'باب ماجاء فی افضل التطوع وست رکعات بعد المغرب۔
(۱۸) سنن ابی داؤد' کتاب الصوم' باب الصوم فی المحرم۔
(۱۹) صحیح البخاری'کتاب الدعوات' باب الدعاء نصف اللیل۔وصحیح مسلم' کتاب صلاة المسافرین وقصرها'باب الترغیب الدعاء والذکر فی آخر اللیل .....
(۲۰) سنن ابی داؤد' کتاب الصلاة' باب صلاة الضحی۔
(۲۱) سنن ابن ماجه' کتاب اقامة الصلاة والسنة فیها' باب ماجاء فی صلاة اللیل والنهار مثنی مثنی۔
(۲۲) سنن ابن ماجه' کتاب اقامة الصلاة والسنة فیها' باب ماجاء فی صلاة الضحی۔

❁❁❁

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کی امتیازی آراء

انجینئر نوید احمد

ڈاکٹر اسرار احمدؒ نہ صرف ایک عظیم مفکّرِ قرآن تھے بلکہ نوعِ انسانی کے بہت بڑے خیر خواہ اور بالخصوص اُمّتِ مسلمہ کے لیے ایک عظیم مصلح تھے۔ اُنہوں نے تحریر وتقریر کے ذریعے لوگوں میں قرآن کی طرف راغب ہونے کا احساس پیدا کیا' قرآن فہمی کے حوالے سے بعض نکات کو نئی تعبیرات کے ذریعے واضح کیا اور اُمت کے درمیان بعض علمی وفکری نزاعات کے حل کے لیے امتیازی آراء پیش کیں۔ البتہ کوئی بھی نئی رائے پیش کرنے کے حوالے سے کسی بھی فتنہ کے اندیشہ سے وہ آگاہ تھے' لہٰذا اِس کے تدارک کے لیے انہوں نے یہ اصول طے کیا کہ عقائد و اعمال کے حوالے سے ہمیں بہرصورت اسلاف سے چمٹے رہنا ہے۔ اِس اصول کو یوں تحریر کیا:

''دین کا جو عملی پہلو ہے اس میں پیچھے سے پیچھے جایئے۔ یہاں یہ دلیل نہیں چلے گی کہ جدید دَور کے تقاضے کچھ اور ہیں' جبکہ یہ دیکھنا ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ نے اور آپ ﷺ کے صحابہؓ نے کیا کیا۔ اس حوالے سے قرآن کے طالب علم کا رُخ پیچھے کی طرف ہونا چاہیے کہ اسلاف نے کیا سمجھا۔ متاخرین کو چھوڑ کر متقدمین کی طرف جایئے۔ متقدمین سے تبع تابعین' پھر تابعین سے ہوتے ہوئے ''مَا اَنَا عَلَیْهِ وَاَصْحَابِیْ'' یعنی حضور ﷺ اور صحابہؓ کے عمل تک پہنچیے۔ اس اعتبار سے اقبال کا یہ شعر صحیح منطبق ہوتا ہے ؎

بمصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ اُو نرسیدی تمام بولہبی ست!

دین کا عملی پہلو وہی ہے جو اللہ کے رسول ﷺ سے ثابت ہے۔ اس میں اگرچہ روایات کے اختلاف کی وجہ سے کچھ فرق ہو جائے گا مگر دلیل یہی رہے گی: ((صَلُّوْا کَمَا رَاَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ))(۱) ''نماز اِس طرح پڑھو جیسے تم مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو''۔ اب نماز کی جزئیات کے بارے میں روایات میں کچھ فرق ملتا ہے۔ کسی کے نزدیک ایک روایت قابل ترجیح ہے' کسی کے نزدیک دوسری۔ اس اعتبار سے جزئیات

میں تھوڑا بہت فرق ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔ البتہ دلیل یہی رہے گی کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل یہ تھا۔ حضور اکرم ﷺ کا یہ فرمان بھی نوٹ کر لیجیے: ((عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَهْدِیِّیْنَ))(۲) ''تم پر میری سنت اختیار کرنا لازم ہے اور میرے خلفاءِ راشدین کی سنت جو ہدایت یافتہ ہیں''۔ چنانچہ حضور ﷺ کا عمل اور خلفاء راشدین کا عمل ہمارے لیے لائق تقلید ہے۔ پھر اسی سے متصل وہ چیزیں ہیں جن پر ہماری چودہ سو برس کی تاریخ میں اُمت کا اجماع رہا ہے۔ اب دنیا اسلامی سزاؤں کو وحشیانہ قرار دے کر ہم پر اثر انداز ہونے کی کوشش کر رہی ہے اور ہمیں بنیاد پرست (Fundamentalist) کی گالی دے کر چاہتی ہے کہ ہمارے اندر معذرت خواہانہ رویہ پیدا کر دے' مگر ہمارا طرزِ عمل یہ ہونا چاہیے کہ ان باتوں سے قطعاً متاثر ہوئے بغیر دین کے عملی پہلو کے بارے میں پیچھے سے پیچھے جاتے ہوئے ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ﴾ تک پہنچ جائیں!''(۳)

گویا ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد امتیازی آراء پیش کر کے کوئی انتشارِ ذہنی پیدا کرنا نہیں تھا بلکہ دین کے متفقہ ومسلمہ حقائق کی دورِ حاضر کی عقلی سطح پر جدید تعبیر کرنا و رامت کے درمیان نزاعی معاملات میں افہام وتفہیم کی صورت پیدا کرنا تھا۔ اس حوالے سے اُن کی بعض امتیازی آراء ذیل میں بیان کی جا رہی ہیں:

(۱) مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق کی بلیغ وضاحت

قرآنِ حکیم کے بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ﴿۱۳﴾ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ﴿۱۴﴾﴾ (الطارق)

''بے شک وہ فیصلہ کن کلام ہے۔ وہ ہرگز بے مقصد بات نہیں۔''

گویا اب قوموں کی دنیا اور آخرت میں عزت وذلت کا فیصلہ قرآن سے تعلق کی کیفیت پر ہوگا۔ دنیا کے بارے میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((اِنَّ اللّٰهَ یَرْفَعُ بِهٰذَا الْکِتَابِ اَقْوَامًا وَّ یَضَعُ بِهٖ آخَرِیْنَ))(۴)

''بے شک اللہ اس کتاب کے ذریعے قوموں کو عروج دے گا اور اسے چھوڑنے کی وجہ سے ذلیل کر دے گا۔''

اور آخرت کے بارے میں آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((اَلْقُرْآنُ حُجَّةٌ لَّکَ اَوْ عَلَیْکَ))(۵)

''قرآن تیرے حق میں گواہ بنے گا یا تیرے خلاف۔''

گویا قرآنِ حکیم کے حوالے سے اپنی ذمہ داریاں ادا کرنا ہماری دنیا و آخرت کی کامیابی کے لیے اہم ترین عمل ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس حقیقت کو یوں واضح کیا:

''ہمارا اصل کام یہ ہے کہ پوری دیانت داری کے ساتھ پہلے یہ سمجھیں کہ اس کتاب مبارک کے کیا حقوق ہم پر عائد ہوتے ہیں۔ پھر یہ دیکھیں کہ آیا ہم انہیں ادا کر رہے یا نہیں۔ اگر یہ معلوم ہو کہ ایسا نہیں ہے تو پھر یہ سوچیں کہ ان کی ادائیگی کی کیا صورت ممکن ہو سکتی ہے اور پھر بلا تاخیر اس کے لیے سرگرم عمل ہو جائیں۔ اس لیے کہ اس کا براہِ راست تعلق ہماری عاقبت اور نجات سے ہے اور اس معاملے میں کسی کوتاہی کی تلافی قرآن حکیم کی شان میں قصیدے پڑھنے سے بہرحال نہیں ہو سکتی۔''(۶)

ڈاکٹر صاحب نے مسلمانوں پر قرآنِ مجید کے حقوق واضح کرنے کے لیے ۱۹۶۸ء میں کئی مقامات پر خطابات کیے جنہیں بعد میں انہوں کتابی صورت میں تحریر کیا۔ ان خطابات کی وجہ یہ بنی کہ جب ۱۹۶۸ء میں صدر ایوب خان کے دورِ اقتدار کے دس برس مکمل ہوئے تو اس کی خوشی میں پورے ملک میں سرکاری سطح پر مختلف عنوانات کے تحت ''جشن'' منائے گئے' مثلاً جشنِ خیبر اور جشنِ مہران وغیرہ۔ اسی سلسلہ ہائے جشن میں ایک اضافہ ''جشنِ نزولِ قرآن'' کا بھی تھا۔ ڈاکٹر صاحبؒ نے حکومت کی اس سرگرمی پر شدید ردِعمل کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

''آپ کو معلوم ہے کہ آج کل ہمارے ملک میں سرکاری اور غیر سرکاری دونوں سطحوں پر ''نزولِ قرآن مجید کا چودہ سو سالہ جشن'' منایا جا رہا ہے۔ اس سلسلے میں دو باتیں سمجھ لینے کی ہیں۔

ایک یہ کہ اس قسم کی نئی نئی تقریبات کی ایجاد و ترویج ہمارے دین کے مزاج سے مناسبت نہیں رکھتی۔ ہمیں اپنے تمام دینی جذبات کے اظہار کے لیے صرف ان تقریبات پر اکتفاء و قناعت کرنا چاہیے جو حضور نبی اکرم ﷺ سے ماثور چلی آ رہی ہیں۔ ان میں نت نئے اضافوں سے دین میں بدعت کا دروازہ کھلتا ہے' جس سے بے شمار خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ آنحضور ﷺ کا یہ فرمان مبارک ہمیشہ ہمارے پیشِ نظر رہنا چاہیے کہ:

((وَشَرُّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ))(۷)

''سب سے برے کام وہ ہیں جو دین میں نئے ایجاد کر لیے جائیں۔ ایسا ہر کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی و ضلالت ہے۔''

موجودہ سلسلۂ تقریبات کے ساتھ لفظ ''جشن'' بھی خاص اہمیت کا حامل ہے' اس سے

ذہن خواہی نخواہی جشنوں کے اس سلسلے کی جانب منتقل ہو جاتا ہے جو خیبر سے کراچی تک مختلف علاقائی ناموں سے منائے جا رہے ہیں اور جن میں اس نام نہاد ثقافت کا مظاہرہ کیا جاتا ہے جو قرآن مجید کی تعلیمات پر ایک کھلا طنز ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ الحاد پسند اور اباحیت پرست لوگوں کے لیے اس قسم کے بے شمار جشنوں کے اہتمام کے ساتھ جشنِ نزولِ قرآن مجید کا انعقاد غالباً ایک رشوت ہے جو مذہبی ذوق رکھنے والے لوگوں کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے۔ واللہ اعلم!

دوسری قابل توجہ بات یہ ہے کہ اس قسم کی تقریبات سے اگر یہ فائدہ اٹھایا جائے کہ ان کے ذریعے عوام میں دین و مذہب سے لگاؤ پیدا ہو' قرآن حکیم کے ساتھ ان کا ربط و تعلق بڑھے اور اس بعد میں کمی ہو جو آج ہمارے اور قرآن مجید کے مابین پیدا ہو گیا ہے' تو پھر بھی ان کے انعقاد کے جواز کا کوئی پہلو شاید پیدا کیا جا سکے' لیکن جیسا کہ آپ کو معلوم ہے اس قسم کا کوئی فائدہ اس نوعیت کی تقاریب سے حاصل نہیں ہوتا۔ قرآن کی تزئین و آرائش یا حسنِ قراءت کے مظاہروں اور مقابلوں سے تو بہرحال اس قسم کے کسی فائدے کے حصول کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جو کانفرنسیں یا جلسے قرآن مجید کے نام پر منعقد ہوتے ہیں ان میں بھی اکثر سارا زور قرآن مجید کے مقام و مرتبہ کی وضاحت یا اس کی شان کے بیان پر صرف کر دیا جاتا ہے اور اس بات کی طرف بہت کم توجہ دی جاتی ہے کہ ہم پر بحیثیت مسلمان قرآن مجید کے کیا کیا حقوق عائد ہوتے ہیں اور ان کی ادائیگی کی کیا صورت ممکن ہے!''(۸)

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے ایک مسلمان پر قرآنِ مجید کے حقوق اس طرح بیان کیے:

''ثقیل الفاظ یا دینی اصطلاحات سے صرفِ نظر کرتے ہوئے عام زبان میں بیان کیا جائے تو قرآن مجید کے یہ پانچ حقوق ہر مسلمان پر عائد ہوتے ہیں:

ایک یہ کہ اسے مانے۔ (ایمان و تعظیم)

دوسرے یہ کہ اسے پڑھے۔ (تلاوت و ترتیل)

تیسرے یہ کہ اسے سمجھے۔ (تذکّر و تدبّر)

چوتھے یہ کہ اس پر عمل کرے۔ (حکم و اقامت)

اور پانچویں یہ کہ اسے دوسروں تک پہنچائے۔ (تبلیغ و تبیین)''(۹)

مذکورہ بالا حقوق کی تفصیلی وضاحت کے بعد ڈاکٹر صاحبؒ نے خبردار کیا:

''حضرات! یہ ہیں قرآن مجید کے وہ حقوق جو میرے فہم کے مطابق ہم سب پر بحیثیتِ

مسلمان عائد ہوتے ہیں اور جن کی ادائیگی کی فکر ہمیں کرنی چاہیے۔ ہم وہ خوش قسمت قوم ہیں جس کے پاس اللہ کا کلامِ پاک من وعن محفوظ اور موجود ہے۔ یہ بات جہاں بڑے اعزاز کا باعث ہے وہیں اس کی بنا پر ایک بہت بڑی ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے۔ ہم سے پہلے کتابِ الٰہی کے حامل بنی اسرائیل بنائے گئے تھے' لیکن جب انہوں نے اس منصبِ عظیم کی ذمہ داریوں کو ادا نہ کیا اور ثابت کر دیا کہ وہ اس اعزاز واکرام کے لائق نہیں تو ایک دوسری اُمت برپا کر دی گئی اور اسے قرآن مجید کا حامل بنا کر کھڑا کر دیا گیا۔ سورۃ الجمعہ کی آیت ۵ میں کتابِ الٰہی کے حامل ہو کر اس کے حقوق کو ادا نہ کرنے والوں کے لیے پہلے ایک مثال بیان کی گئی ہے کہ:

﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ؕ﴾

''ان لوگوں کی مثال جو حامل تورات بنائے گئے' پھر نہ اٹھایا انہوں نے اس (کی ذمہ داری) کو' اس گدھے کی سی ہے جو کتابوں کا بوجھ پیٹھ پر لادے پھر رہا ہو۔''

اور پھر اس کے فوراً بعد واضح کر دیا گیا کہ ان کا طرزِ عمل آیاتِ الٰہی کی تکذیب کے مترادف ہے:

﴿بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ﴾

''بُری ہے مثال ان لوگوں کی جو جھٹلاتے ہیں اللہ کی آیات کو۔''

اور ساتھ ہی یہ سنت اللہ بھی بیان کر دی گئی ہے کہ:

﴿وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۵﴾

''اور اللہ (ایسے) ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ میرا یا آپ کا شمار اللہ کے نزدیک ان لوگوں میں ہو اور دعا کرتا ہوں کہ وہ ہمیں صحیح معنی میں قرآن کا حامل بنائے۔''(۱۰)

(۲) فرائض دینی کا واضح اور جامع تصوّر

قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً ۠ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝۲۰۸﴾ (البقرۃ)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! داخل ہو جاؤ پورے کے پورے اسلام میں اور شیطان کے نقش قدم کی پیروی نہ کرو۔ وہ تو تمہارا صریح دشمن ہے۔''

گویا جزوی اسلام پر عمل شیطان کے نقش قدم کی پیروی ہے۔ اللہ غیور ہے اور وہ ہم سے اپنی خالص اطاعت چاہتا ہے۔ سورۃ البقرۃ' آیت ۸۵ میں جزوی اطاعت کرنے والوں سے اظہارِ ناراضگی یوں کرتا ہے:

﴿اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝۸۵﴾

''کیا تم کتابِ (الٰہی) کے بعض احکامات کو تو مانتے ہو اور بعض کو نہیں مانتے؟ تو جو تم میں سے ایسی حرکت کریں' اُن کی سزا اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ دنیا کی زندگی میں تو رُسوائی ہو اور قیامت کے دن سخت ترین عذاب میں ڈال دیئے جائیں۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اُس سے غافل نہیں ہے۔''

دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب سے بچنے کے لیے ہمیں علم ہونا چاہیے کہ دین اسلام ہم سے کن کن فرائض کا تقاضا کرتا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے نزدیک انسان کے عمل میں دو علیحدہ علیحدہ چیزیں محرک کا فریضہ انجام دیتی ہیں۔ ایک نیت وارادہ اور دوسری فرائض کا صحیح شعور اور تصور۔ اس حوالے سے وہ لکھتے ہیں:

''پہلی ضروری چیز اپنا ارادہ ہے' لیکن اتنی ہی ضروری چیز یہ ہے کہ یہ صحیح تصور بھی موجود ہو کہ دین کے حقیقی فرائض کیا ہیں! اگر فرائض کا تصور محدود یا ناقص ہوگا تو جو چیزیں کسی کو معلوم ہیں ان پر تو وہ عمل کر لے گا لیکن جو چیزیں اسے معلوم ہی نہیں ہیں' ان پر ارادے کے باوجود وہ عمل کیسے کر سکے گا؟ چنانچہ میں آج کی اس صحبت میں اس دوسری بات کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارے دینی فرائض کا صحیح اور جامع تصور کیا ہے' تاکہ پورے دین کا مکمل نقشہ ہمارے سامنے موجود ہو اور ہم صحیح طور پر اپنا جائزہ لے سکیں کہ دین کے کتنے حصے پر ہم عمل پیرا ہیں اور کتنی چیزوں پر عمل نہیں کر رہے! اور کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ جن چیزوں پر عمل ہم نے چھوڑ رکھا ہے وہی چیزیں دینی لحاظ سے اہم ترین ہوں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ مغز سرے سے موجود ہی نہ ہو اور ہم صرف چھلکا پکڑے بیٹھے ہوں!''(۱۱)

ڈاکٹر اسرار احمدؒ بیان کرتے ہیں کہ از روئے قرآنِ حکیم ایک مسلمان پر تین دینی فرائض عائد ہوتے ہیں۔ پہلا فریضہ یہ ہے کہ وہ خود دین کے تمام انفرادی احکامات پر عمل پیرا ہو۔

دوسرا فریضہ ہے دین کی تعلیمات کو پھیلانا اور تیسرا فریضہ ہے دین کو قائم کرنے کی جدوجہد کرنا۔ پہلے فریضے کے حوالے سے وہ تحریر فرماتے ہیں:

''قرآن کا تقاضا یہ ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً﴾ (البقرۃ: ۲۰۸)

''اے ایمان لانے والو! تم پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ۔''

اس میں داخلہ جزوی طور پر نہیں ہو سکتا کہ کچھ احکام پر تو سر تسلیم خم ہے اور کچھ احکام پر عمل کرنے سے انکار و اعراض، سرتابی اور سرکشی! اس کا نام اسلام نہیں ہے۔ یہاں تو اصول یہ ہے کہ ماننا ہے تو پورا مانو ورنہ چھوڑو اور دفع ہو جاؤ۔ (Take it all or leave it all) یہاں بیچ بیچ کی بات نہیں چلے گی۔''(۱۲)

دوسرے فریضے یعنی لوگوں تک اللہ کے دین کی تعلیمات کو واضح کرنے کے لیے لکھتے ہیں:

''سورۃ البقرۃ' آیت ۱۴۳ میں فرمایا گیا کہ ہم نے جو تمہیں اُمت وسط یعنی بہترین اُمت بنایا ہے تو یہ اسی فریضہ شہادت علی الناس کی ادائیگی کے لیے ہے:

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾

''اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک درمیانی اُمت (بہترین اُمت) بنایا' تاکہ تم گواہ ہو جاؤ پوری نوع انسانی پر اور رسولؐ گواہ ہو جائیں تم پر۔''

عبادتِ ربّ کے بعد شہادت علی الناس کی یہ دوسری اہم ذمہ داری ہے جو اُمت کے سپرد کی گئی۔ اس کی نزاکت کو جان لیجیے۔ اگر رسول ﷺ بالفرض اللہ کا پیغام نہ پہنچاتے تو اللہ کے ہاں وہ مسئول اور ذمہ دار ہوتے! انہوں نے پہنچا دیا لہٰذا وہ بری ہو گئے اور باقی دنیا کو پہنچانے کی ذمہ داری اُمت کے حوالے کر کے تشریف لے گئے۔ اس لیے کہ محمدؐ رسول اللہ ﷺ پوری نوعِ انسانی کے لیے رسول بنا کر بھیجے گئے تھے' صرف عرب کے لیے تو نہیں۔ از روئے الفاظِ قرآنی: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا﴾ (سبا:۲۸) اور: ﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا﴾ (الاعراف:۱۵۸) اور: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ (الانبیاء) ـــــ باقی دنیا کو کون پہنچائے گا؟ اس کے متعلق میں عرض کر چکا کہ حجۃ الوداع میں آنحضور ﷺ نے فرما دیا کہ اب یہ کام تمہارے ذمے ہے۔ میں نے تمہیں پہنچا دیا' اب تم ان کو پہنچاؤ جو یہاں نہیں ہیں۔

یہاں یہ بات مزید سمجھ لیجیے کہ یہ صرف اُس وقت کی دنیا والوں کا معاملہ نہیں تھا۔ اب تو دائمی رسالتِ محمدی کا دَور ہے (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام)۔ اب تا قیامِ قیامت بنی نوعِ انسان کے لیے شہادت علی الناس کی ذمہ داری کون ادا کرے گا؟ یہ ذمہ داری اُمتِ محمد کی ہے (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام)۔ اگر اُمت یہ فریضہ ادا نہیں کرتی تو جان لیجیے کہ دنیا کی گمراہی کا وبال اُس کے سر آئے گا۔ آپ یہ سمجھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا اُمتی ہونے سے آپ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی کریڈٹ مل جائے گا! میں آپ کو دوسرا رُخ دکھا رہا ہوں۔ یہ تو اتنی بڑی ذمہ داری ہے کہ اگر آپ اسے ادا نہیں کرتے تو دنیا کی ضلالت اور گمراہی کا وبال بھی آپ کے ذمہ آئے گا۔ بنی نوع انسان عدالتِ اُخروی میں یہ عذر پیش کرنے میں بڑی حد تک حق بجانب ہوں گے کہ اے اللہ! ان کے پاس تیری آخری اور مکمل کتاب تھی' ان کے پاس تیرا دین تھا' یہ تیری شریعت کے علمبردار تھے' یہ تیرے آخری نبی اور رسول ﷺ کے اُمتی تھے' انہوں نے اس دین کو نہ ہم تک پہنچایا اور نہ خود اس پر عمل کیا۔ یہ تیری آخری کتاب اور آخری نبی ﷺ کی تعلیمات پر خزانے کے سانپ بن کر بیٹھے رہے۔''(۱۳)

تیسرے فریضے یعنی دین کو قائم کرنے کی جدوجہد کی وضاحت ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''فرمایا گیا:

﴿اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ﴾ (الشوریٰ:۱۳)

''دین کو قائم کرو اور اس بارے میں تفرقے میں نہ پڑو۔''

قائم کون سی چیز کو کہتے ہیں؟ اس کو جو کھڑی ہو۔ زمین پر پڑی ہوئی چیز تو قائم نہیں کہلاتی۔ کوئی چیز گر جائے تو کہا جاتا ہے کہ اس کو قائم کرو' اسے کھڑا کرو۔ دین اگر پہلے سے قائم ہے تو اسے قائم رکھنا اہل دین کی ذمہ داری ہوگی اور اگر زمین بوس ہو تو اس کا اپنے ماننے والوں سے یہ تقاضا ہے کہ اسے قائم کریں' اسے کھڑا کریں۔ اسی دین کے مطابق نظامِ معیشت و معاشرت استوار ہو' اسی کے مطابق نظامِ حکومت و سیاست قائم ہو۔ اگر یہ صورت ہے تو ''اَقِيْمُوا الدِّيْنَ'' کا تقاضا پورا ہو رہا ہے' اور اگر نہیں تو جان لیجیے کہ محض تلاوت اور مدح سرائی کے لیے تو یہ دین نہیں اُتارا گیا۔ دیکھئے سورۃ المائدۃ' آیت ۶۸ میں فرمایا:

﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾

''(اے نبی ﷺ! صاف صاف) کہہ دیجیے کہ اے اہل کتاب! تم ہرگز کسی اصل پر نہیں ہو جب تک کہ تم تورات اور انجیل کو اور دوسری کتابوں کو قائم نہ کرو جو تمہارے ربّ کی طرف سے نازل کی گئی ہیں۔''

یہاں وہی لفظ اقامت (قائم کرنا) آیا ہے۔ اب اس آیت میں بغرضِ تفہیم ''یَا اَھْلَ الْکِتَابِ'' کی جگہ ''یَا اَھْلَ الْقُرْاٰنِ'' اور ''تورات وانجیل'' کی جگہ ''قرآن'' رکھ دیجیے تو بات یوں ہوگی: یَا اَھْلَ الْقُرْاٰنِ لَسْتُمْ عَلٰی شَیْءٍ حَتّٰی تُقِیْمُوا الْقُرْاٰنَ کہ اے اہل قرآن، اے حاملانِ کتاب اللہ! تمہاری کوئی حیثیت نہیں ہے جب تک تم قرآن کو قائم نہ کرو۔ قرآن حکیم اگر واقعی ضابطہ حیات ہے، جیسا کہ فی الواقع وہ ہے، تو اس کو نافذ کیا جانا چاہیے۔ قرآن نے اگر کوئی نظام دیا ہے، اور واقعی دیا ہے، تو وہ نظام قائم ہونا چاہیے۔''(۱۴)

دینی فرائض واضح کرنے کے بعد ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے ان فرائض کی ادائیگی کے لیے تین لازمی تقاضے بیان کیے ہیں۔ وہ مثال دیتے ہیں کہ نماز ادا کرنا فرض ہے لیکن اس کے لیے وضو کرنا لازمی تقاضا ہے۔ اسی طرح دینی فرائض بھی ادا نہیں ہو سکتے جب تک کہ تین لازمی تقاضے پورے نہ کیے جائیں۔ تحریر فرماتے ہیں:

''پہلے لازمی تقاضے کو سادہ الفاظ میں بیان کیا جائے تو وہ ہوگا کوشش اور کشاکش۔ غور کیجیے کہ کوشش اور محنت کیے بغیر کیا یہ منزلیں سر ہو سکتی ہیں؟ ہرگز نہیں! بلکہ محض کوشش اور محنت سے بھی کام نہیں بنتا، اس لیے کہ یہاں خلا تو ہے نہیں۔ آپ اگر اپنے نظریات کے مطابق کوشش کر رہے ہیں تو اور لوگ بھی تو ہیں جو اپنے نظریات کے لیے کوشش کر رہے ہیں۔ لہٰذا کوشش، کوشش سے ٹکرائے گی۔ جب کوششیں باہم ٹکراتی ہیں تو اس کا نام ہوتا ہے کشاکش، جسے عام طور پر کشمکش بھی کہا جاتا ہے۔ اس کشاکش یا کشمکش کے لیے دینی اصطلاح ''جہاد'' ہے۔ یہ جہاد وہ پہلا لازمی عمل ہے کہ اگر یہ ہوگا تو دین کے وہ تین بنیادی فرائض پورے ہوں گے جو ہمارے سامنے آئے، ورنہ نہیں۔''(۱۵)

''دوسرا لازمی تقاضا التزامِ جماعت ہے۔ کون ہے جو بقائمیٔ ہوش وحواس یہ کہہ سکے کہ یہ کام انفرادی طور پر ہو سکتے ہیں؟ کوئی ایک بھی سلیم العقل شخص ایسا نہیں ہو سکتا جو یہ رائے رکھتا ہو کہ ان کاموں کے لیے جماعت ضروری نہیں۔ اگر یہ اُمور یعنی عبادتِ ربّ، اطاعتِ ربّ، شہادت علی الناس، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، اقامتِ دین اور اظہارِ دین الحق علی الدین کلہ فرائض دینی ہیں تو ان کے لوازم کا شمار بھی فرائض میں ہوگا، کیونکہ جو شے فرض کی ادائیگی کے لیے لازمی ہو وہ بھی فرض ہے (مقدمۃ الواجب

واجب)۔ مثلاً نماز پڑھنا فرض ہے اور اس کے لیے وضو شرط ہے تو وضو بھی فرض ہوا کہ نہیں؟ حج یا عمرہ کی ادائیگی کے لیے احرام شرط ہے تو احرام بھی فرض ہوا کہ نہیں؟ لہٰذا التزامِ جماعت بھی لازم و واجب ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا حکم ہے، جسے حضرت حارث الاشعری رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے:

((اَنَا آمُرُکُمْ بِخَمْسٍ، اَللّٰہُ اَمَرَنِیْ بِھِنَّ : بِالْجَمَاعَۃِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَۃِ وَالْھِجْرَۃِ وَالْجِھَادِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ))(۱۶)

''(مسلمانو!) میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں، اللہ نے مجھے ان کا حکم دیا ہے: التزامِ جماعت کا، (امیر کا حکم) سننے اور ماننے کا، ہجرت کا، اور اللہ کے راستے میں جہاد کا!''

ہجرت کیا ہے؟ یہ کہ ہر اُس چیز کو چھوڑ دینا جو اللہ کو پسند نہ ہو —— جیسے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَیُّ الْھِجْرَۃِ اَفْضَلُ؟ تو آپؐ نے جواب دیا: ((اَنْ تَھْجُرَ مَا کَرِہَ رَبُّکَ))(۱۷) —— یہاں تک کہ وقت آئے اور گھر بار اور وطن چھوڑنا پڑے تو اس کے لیے بھی انسان ہر دم آمادہ رہے۔ اور یہ ہجرت کی چوٹی ہے۔ جیسے جہاد کی چوٹی قتال فی سبیل اللہ ہے اسی طرح ہجرت کی چوٹی اللہ کے دین کے لیے ترکِ وطن ہے۔ رہا جہاد فی سبیل اللہ تو اس کا آغاز مجاہدہ مع النفس سے ہوتا ہے اور اس کی چوٹی اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتال ہے۔ اور سب سے پہلی چیز جس کا اس حدیث میں حکم دیا گیا وہ التزامِ جماعت ہے۔ یہ ہے التزامِ جماعت کی فرضیت!''(۱۸)

''یہ بات بھی جان لیجیے کہ اس جماعت کا نظام ٹھیٹھ اسلامی اصول ''سمع وطاعت'' پر ہونا چاہیے، جس کا حکم بھی مذکورہ بالا حدیث میں ''بِالسَّمْعِ وَالطَّاعَۃِ'' کے الفاظ میں آیا ہے۔ اگر آپ ایسی کسی جماعت میں شامل نہیں ہیں تو دین کے یہ تقاضے گویا آپ کے سامنے ہی نہیں ہیں۔''(۱۹)

''دینی فرائض کے لوازم میں سے تیسری چیز یہ ہے کہ اس جماعت کا جو نظام قائم ہو وہ بیعت پر مبنی ہو۔ یہ وہ واحد نظام ہے جو ہمیں کتاب وسنت کی طرف رجوع کرنے سے ملتا ہے۔ کتاب وسنت میں مجھے اس کے سوا کوئی دوسرا نظام نہیں ملا اور نہ کوئی مجھے آج تک بتا سکا۔ اب یہ بات سمجھئے کہ یہ بیعت ہے کیا! ایک شخص سے ان فرائض کی ادائیگی کے ارادے سے شخصی تعلق قائم کرنا، اس کے ہاتھ پر ان فرائض کی انجام دہی کے لیے قول وقرار کرنا بیعت ہے۔ میں نے شروع ہی میں لفظ ''مرید'' کی وضاحت کر دی تھی کہ مرید وہ ہے جو ارادہ کرے۔ یعنی ایسا فرد جو اپنی اصلاح کے ارادے سے کسی کے

ہاتھ پر قول وقرار کے لیے بیعت کرلے۔ چنانچہ شخصی اصلاح اور تزکیۂ نفس کے لیے بیعت کی جاتی ہے۔ اور یہ بیعت اسلام‘ اطاعت‘ تقویٰ اور عبادت کے تقاضوں اور مطالبوں پر پورا اترنے کے لیے کسی مردِ صالح کے ہاتھ پر ہوتی ہے۔ یہ بیعت ’’بیعت توبہ‘‘ یا ’’بیعت ارشاد و تزکیہ‘‘ کہلاتی ہے‘ اور جب اللہ کے دین کی تبلیغ و دعوت‘ دین کی نشر و اشاعت‘ شہادت علی الناس اور اقامتِ دین جیسے عظیم فرائض کی ادائیگی اور اس کے لیے سمع و طاعت پر مبنی جماعت کے قیام اور ہجرت و جہاد کا مرحلہ درپیش ہو تو اس کے لیے بھی ایسے شخص کے ہاتھ پر جو اِس کام کا عزم لے کر اُٹھا ہو‘ شخصی بیعت ہوگی اور یہ بیعت ’’بیعتِ جہاد‘‘ کہلائے گی۔‘‘(۲۰)

(۳) مسلمان خواتین کے دائرۂ کار اور ذمّہ داریوں کا معتدل انداز میں تعین

ڈاکٹر اسرار احمدؒ بیان کرتے ہیں کہ از روئے قرآنِ حکیم مسلمانوں کے دینی فرائض کی تین منزلیں ہیں۔ پہلی منزل ہے خود دین کے ہر انفرادی حکم پر عمل کرنا۔ دوسری منزل ہے دین کی تعلیمات کو پھیلانا اور تیسری منزل ہے دین کو قائم کرنے کی جدّوجہد کرنا۔ البتہ دینی فرائض کے تصور کے حوالے سے ایک توازن پیش نظر رہنا چاہیے‘ جس پر ڈاکٹر صاحب یوں روشنی ڈالتے ہیں:

’’دینی فرائض کے جامع تصور کی اہمیت یہ ہے کہ اگر انسان کو یہ معلوم نہ ہو کہ میرا رب مجھ سے کیا چاہتا ہے اور میرے دین کا مجھ سے کیا مطالبہ ہے تو وہ ان دینی فرائض کی ادائیگی کے قابل نہ ہو سکے گا جو اس پر عائد ہوتے ہیں۔ اسی طرح اگر فرائض دینی کے بارے میں ہمارا تصور ناقص یا نامکمل ہو‘ یعنی بعض فرائض تو معلوم ہوں اور انہیں ہم ادا بھی کر رہے ہوں‘ لیکن بعض فرائض کا ہمیں علم ہی نہ ہو تو ظاہر ہے کہ وہ ہم ادا نہیں کر سکیں گے۔ اس طرح اس بات کا شدید اندیشہ ہے کہ اگرچہ اپنی جگہ ہم یہ سمجھ رہے ہوں کہ ہم نے تو اپنے تمام فرائض ادا کیے ہیں‘ لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہاں ہمیں بتایا جائے کہ تمہاری ذمہ داریاں صرف وہی نہیں تھیں کہ جو تم نے پوری کی ہیں بلکہ مزید بھی تھیں‘ اور ان کے ضمن میں چونکہ ہمیں علم ہی حاصل نہیں تھا‘ لہٰذا ان سے متعلق ہماری کارگزاری صفر ثابت ہو اور ہم اپنے تمام تر خلوص اور محنت کے باوجود ناکام قرار پائیں۔

اس مسئلے کا ایک دوسرا رُخ بھی قابل توجّہ ہے‘ جو خواتین کی ذمّہ داریوں کے ضمن میں خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ اور وہ یہ کہ ایک دوسرا امکان یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم اپنے ذمے خواہ مخواہ ایسی ذمّہ داریاں لے لیں جو ہمارے دین نے ہم پر عائد نہ کی ہوں۔ یہ بات بھی اتنی ہی خطرناک‘ مضر اور نقصان دہ ہے جتنی کہ پہلی بات۔ کیونکہ انسان کا

جذبۂ عمل بسا اوقات حد سے تجاوز کر جاتا ہے تو وہ غلط رخ اختیار کر لیتا ہے۔ اس کی بہت اہم مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً نیکی کا جذبہ ہی دنیا میں رہبانیت جیسے خلافِ فطرت نظام کو وجود میں لانے کا سبب بنا‘ جس نے بالآخر ایک برائی کی شکل اختیار کر لی اور بہت سے منکرات کو جنم دیا اور اس کے نتائج بہت ہی منفی اور خوفناک ہوئے۔‘‘(۲۱)

ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے نزدیک مردوں اور خواتین کے دینی فرائض میں فرائض کی تینوں منازل کے اعتبار سے فرق ہے۔ پہلی منزل کے بارے میں وہ تحریر فرماتے ہیں:

’’پہلی منزل کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس سطح پر عورتوں اور مردوں کے فرائض یکساں ہیں‘ اگر کوئی فرق ہے تو وہ بہت ہی معمولی ہے۔‘‘(۲۲)

’’اس ضمن میں مرد و عورت کے فرائض میں جو معمولی سا فرق ہے‘ اس کے لیے میں آپ کے سامنے نماز کی مثال رکھ رہا ہوں۔ مردوں کے لیے حکم ہے کہ وہ مسجد میں جا کر باجماعت نماز ادا کریں‘ اِلّا یہ کہ کوئی عذر ہو‘ جبکہ خواتین کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ ان کے لیے فرمایا گیا ہے کہ عورت کی نماز مسجد کے مقابلے میں اپنے گھر میں افضل ہے۔ گھر میں بھی صحن کے مقابلے میں دالان میں‘ اور دالان کے مقابلے میں کسی کمرے کے اندر افضل ہے‘ اور کمرے کے اندر بھی اگر کوئی کوٹھڑی ہے (جیسا کہ پہلے زمانے میں بنائی جاتی تھیں) تو اس میں نماز ادا کرنا افضل ترین ہے۔‘‘(۲۳)

ڈاکٹر صاحبؒ نے مَردوں اور خواتین کے دینی فرائض اور ان کی ادائیگی کے دائرہ کار میں فرق کا سبب اس طرح واضح کیا:

’’یہ پہلی منزل ہے‘ جہاں پر دینی ذمہ داریوں کے اعتبار سے مرد و عورت میں بہت معمولی فرق ہے‘ لیکن جیسے جیسے ہم اوپر چلتے جائیں گے یہ فرق بڑھتا چلا جائے گا۔ پہلی منزل پر یہ فرق بہت تھوڑا ہے‘ دوسری منزل پر بہت نمایاں ہے‘ جبکہ تیسری منزل پر جا کر یہ فرق بہت بڑھ جائے گا۔ ہمیں اس فرق کی اساس کو سمجھ لینا چاہیے۔ اسلام شرم و حیا اور عصمت و عفت کی انتہائی اہمیت بیان کرتا ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ معاشرے میں ان چیزوں کی خوب حفاظت ہو۔ یہی وہ اصول اور مقصد ہے جس کے تحت ستر و حجاب اور لباس کے احکام دیے گئے اور اس معاملے میں مرد و عورت کے مابین فرق رکھا گیا۔‘‘(۲۴)

’’پہلی منزل پر بھی جو فرق ہے وہ اسی بنیاد پر ہے کہ اسلام یہ نہیں چاہتا کہ مردوں اور عورتوں کے مابین بلاضرورت کوئی اختلاط یا آپس میں ملنا جلنا ہو۔ چنانچہ اسلام دونوں کے علیحدہ علیحدہ دائرۂ کار قائم کرتا ہے اور دونوں کی ذمہ داریاں اور فرائض کا علیحدہ

علیحدہ تعین کرتا ہے۔ نماز کے ضمن میں آخر یہ فرق کیوں کیا گیا کہ مردوں کی نماز گھر کی نسبت مسجد میں افضل ہے' جبکہ عورت کی نماز گھر کے اندر اور گھر کی بھی اندرونی کوٹھڑی میں زیادہ افضل ہے اور مسجد میں ان کی آمد پسندیدہ نہیں ہے۔ اس کا سبب یہی ہے کہ اس میں اختلاط کا ایک امکان پیدا ہوتا ہے۔ راستہ چلتے' مسجد کو آتے جاتے مردوں سے مڈبھیڑ ہوسکتی ہے۔ مسجد کے اندر بھی خواہ کتنا ہی اہتمام کرلیا جائے مگر اس کا اندیشہ رہتا ہے کہ کہیں کوئی بے حجابی کی کیفیت نہ پیدا ہوجائے یا کسی نامحرم کی نظر نہ پڑ جائے۔''(۲۵)

ڈاکٹر صاحبؒ کے نزدیک فرائض دینی کی دوسری منزل پر خواتین کی ذمہ داریوں کا دائرۂ کار مردوں کی نسبت محدود ہے۔ اس کی وضاحت ڈاکٹر صاحبؒ یوں پیش کرتے ہیں:

''دوسری منزل پر دعوت وتبلیغ کی ذمہ داری ہے..... اس کے ضمن میں ہمارے دین نے جو عام ترتیب سکھائی ہے وہ یہ ہے کہ ''الاقربُ فالأقرب'' کے اصول پر اصلاح کا کام پہلے اپنے آپ سے شروع کیا جائے' پھر گھر والوں کی اصلاح کی فکر کی جائے اور اس کے بعد دوسرے لوگوں پر دعوت وتبلیغ کا کام کیا جائے۔ لیکن اگر کوئی شخص سات سمندر پار جا کر تبلیغ کر رہا ہو' جبکہ اس کے اپنے گھر میں دین کا معاملہ تسلی بخش نہ ہو تو یہ درحقیقت غلط ترتیب ہے' جس کی وجہ سے وہ برکات ظاہر نہیں ہوتیں جو نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی تبلیغ سے ظاہر ہوئیں۔

اب اس ترتیب کو سامنے رکھیں تو ایک نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ خواتین کے لیے دعوت' تبلیغ' نصیحت اور اصلاح کا اوّلین دائرہ ان کا اپنا گھر ہے۔ ان کے اپنے بچوں کی تعلیم' تربیت اور اصلاح کلیتاً ان کی ذمہ داری ہے۔ اس سے آگے بڑھ کر خواتین کا حلقہ اور اس سے مزید آگے محرم مَردوں کا حلقہ آئے گا۔ بس ان تین حلقوں میں خواتین کو دعوت وتبلیغ کے فرائض سرانجام دینے ہیں۔''(۲۶)

''جہاں تک دوسرے دائرے یعنی گھر سے باہر نکل کر دوسری خواتین میں دعوت وتبلیغ اور درس وتدریس کا تعلق ہے تو میرے خیال میں اس کے لیے منظم کوشش وقت کی اہم ضرورت ہے۔ البتہ اس کے لیے ایسی خواتین کو زیادہ فعال ہونا چاہیے جو ادھیڑ عمر کی ہیں' اور ان کے لیے حجاب کے احکامات میں بھی وہ شدت نہیں ہے۔ بڑی عمر کی خواتین کے لیے سورۃ النور' آیت ۶۰ میں فرمایا گیا: ﴿فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ﴾ کہ ان پر کوئی حرج نہیں اگر وہ اپنی اضافی چادریں اتار کر رکھ بھی دیا کریں! یعنی ستر کی شدت تو برقرار رہے گی مگر پردے اور حجاب کے ضمن میں ان پر اب وہ شدید

پابندیاں نہیں ہیں جو ایک نوجوان عورت پر ہیں۔''(۲۷)

فرائض دینی کی تیسری منزل پر آکر ڈاکٹر صاحبؒ کے نزدیک مردوں اور خواتین کی ذمہ داریوں میں فرق بہت نمایاں ہوجاتا ہے۔ اس فرق کو ڈاکٹر صاحبؒ نے یوں بیان کیا:

''اب آیئے تیسری منزل کی طرف۔ یہ اقامت دین' اسلامی انقلاب یا تکبیر رب کی منزل ہے۔ اس سطح پر ایک ایسی منظم جماعت کی تشکیل ناگزیر ہے جس کی حیثیت ایک بنیانِ مرصوص کی ہو اور جو باطل نظام کی تبدیلی کے لیے نہ صرف یہ کہ ایک عوامی تحریک برپا کرسکے' بلکہ قتال فی سبیل اللہ کے کٹھن اور جاں گسل مراحل سے گزرنے کا حوصلہ بھی رکھتی ہو۔ لیکن یہ وہ ذمہ داری ہے جس سے انتہائی ناگزیر حالات اور ہنگامی صورت حال کے سوا اللہ نے خواتین کو بری کیا ہے۔''(۲۸)

''اللہ تعالیٰ نے فریضہ اقامت دین اور اعلائے کلمۃ اللہ کی جدوجہد مردوں پر فرض کی ہے اور عورتوں پر بھی یہ ذمہ داری براہ راست عائد نہیں کی۔ البتہ خواتین سے مطلوب یہ ہے کہ وہ اس جدوجہد میں اپنے مردوں کی معین ومددگار ہوں۔ بچوں کی پرورش اور تعلیم وتربیت کو اپنی ذمہ داری سمجھیں اور مردوں پر اس کا زیادہ بوجھ نہ پڑنے دیں۔ وہ مردوں کے لیے اس راہ میں زیادہ سے زیادہ وقت فارغ کرنا ممکن بنائیں۔ اُن پر اپنی فرمائشوں کا بوجھ اس طرح نہ لاد دیں کہ وہ انہی مسائل میں اُلجھ کر رہ جائیں اور دین کی سربلندی کے لیے جُہد وکوشش نہ کرسکیں۔ خواتین اگر ان امور کو مدّنظر رکھتے ہوئے شوہروں سے تعاون کریں تو یہ ان کی طرف سے اقامت دین کی جِدّوجُہد میں شرکت کا بدل بن جائے گا اور ان کے لیے اجرِ کثیر اور ثوابِ عظیم کا باعث ہوگا۔ اور خواتین کے لیے اس سے بڑھ کر خوش آئند بات اور کیا ہوسکتی ہے کہ انہیں گھر بیٹھے بٹھائے مردوں کے برابر اجر وثواب مل جائے!!''(۲۹)

اپنے موقف کے حق میں دلیل کے طور پر ڈاکٹر صاحبؒ نے ایک انصاریہ خاتون حضرت اسماءؓ بنت یزید کی نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ایک گفتگو کو نقل کیا ہے:

''وہ ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ مجھے عورتوں کی ایک جماعت نے اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا ہے۔ وہ سب کی سب وہی کہتی ہیں جو میں عرض کرتی ہوں اور سب وہی رائے رکھتی ہیں جو میں آپ ﷺ کے سامنے پیش کر رہی ہوں۔ عرض یہ ہے کہ:

''آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے۔

چنانچہ ہم آپ ﷺ پر ایمان لائیں اور ہم نے آپ ﷺ کی پیروی کی۔ لیکن ہم عورتوں کا حال یہ ہے کہ ہم پردوں کے اندر رہنے والیاں اور گھروں کے اندر بیٹھنے والیاں ہیں۔ ہمارا کام یہ ہے کہ مرد ہم سے اپنی خواہش پوری کرلیں اور ہم ان کے بچے لادے لادے پھریں۔ مرد جمعہ و جماعت' جنازہ و جہاد ہر چیز کی حاضری میں ہم سے سبقت لے گئے۔ وہ جب جہاد پر جاتے ہیں تو ہم ان کے گھر بار کی حفاظت کرتی ہیں اور ان کے بچوں کو سنبھالتی ہیں۔ تو کیا اجر میں بھی ہم کو ان کے ساتھ حصہ ملے گا؟''

آنحضور ﷺ نے ان کی یہ فصیح و بلیغ تقریر سننے کے بعد صحابہؓ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

''کیا آپ لوگوں نے اس سے زیادہ بھی کسی عورت کی عمدہ تقریر سنی ہے' جس نے اپنے دین کی بابت سوال کیا ہو؟'' تمام صحابہؓ نے قسم کھا کر اقرار کیا کہ نہیں یا رسول اللہ ﷺ! اس کے بعد آنحضرت ﷺ حضرت اسماءؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

''اے اسماء! میری مدد کرو اور جن عورتوں نے تمہیں اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا ہے ان تک میرا یہ جواب پہنچا دو کہ تمہارا اچھی طرح خانہ داری کرنا' اپنے شوہروں کو خوش رکھنا اور ان کے ساتھ سازگاری کرنا مردوں کے ان سارے کاموں کے برابر ہے جو تم نے بیان کیے ہیں۔''

حضرت اسماءؓ رسول اللہ ﷺ کی یہ بات سن کر خوش خوش اللہ کا شکر ادا کرتی ہوئی واپس لوٹ گئیں اور انہوں نے اس پر کسی انقباض کا اظہار نہیں کیا۔''(۳۰)

(۴) جہاد فی سبیل اللہ کے حوالے سے مغالطوں کا ازالہ

روزِ قیامت دردناک عذاب سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم جان اور مال سے جہاد فی سبیل اللہ کریں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰی تِجَارَةٍ تُنْجِیْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝۱۰ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۱۱﴾ (الصف)

''اے ایمان کے دعوے دارو! کیا میں تمہاری رہنمائی کروں اس کاروبار کی طرف جو تمہیں عذابِ الیم سے چھٹکارا دلا دے؟ ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر (جیسے کہ ایمان لانے کا حق ہے) اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے۔ یہی تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم واقعتاً صحیح علم رکھتے ہو۔''

معلوم ہوا کہ از روئے قرآن جہاد فی سبیل اللہ کے بغیر نجات کا کوئی امکان نہیں' کیونکہ اس آیت میں جہاد فی سبیل اللہ کے بغیر نجات کی نفی ہو رہی ہے۔

صدیوں کے انحطاط کے نتیجے میں جہاں بحیثیت اُمت ہمارے اندر عملی و اخلاقی زوال آیا وہاں دینی تصورات اور اصطلاحات بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں۔ دینی تصورات میں محدودیت در آئی' بعض اہم دینی اصطلاحات کا مفہوم محدود ہی نہیں مسخ کر دیا گیا۔ ان دینی اصطلاحات میں ایک نہایت اہم اصطلاح ''جہاد فی سبیل اللہ'' کی ہے۔ اس انتہائی جامع اور ہمہ گیر دینی اصطلاح کو نہ صرف یہ کہ بہت ہی محدود معنوں میں مقید کر دیا گیا بلکہ نام نہاد مسلمانوں کے ہاتھوں ''فساد فی الارض'' پر مشتمل ہوس ملک گیری کے لیے کی جانے والی قتل و خون ریزی کو بھی اس مقدس اصطلاح کا جامہ اوڑھا کر اس کی رسوائی کا سامان کیا گیا۔ لہٰذا ''جہاد فی سبیل اللہ'' کے حوالے سے معاشرے میں پھیلے ہوئے غلط تصورات اور مغالطوں کو دور کر کے اس مقدس اصطلاح کے حقیقی اور جامع مفہوم کو عام کرنا وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے بارہا اپنے خطبات و تقاریر میں جہاد فی سبیل اللہ کے ضمن میں مغالطوں کا ازالہ کیا' اِس کی حقیقت کو واضح اور مدلّل انداز میں بیان فرمایا اور اس کی مختلف سطحوں پر عمدگی سے روشنی ڈالی۔ مغالطوں کے حوالے سے بیان کرتے ہیں:

''جہاد فی سبیل اللہ کے ضمن میں سب سے بڑا مغالطہ' جو بہت عام ہے اور صرف عوام ہی میں نہیں' خواص یعنی علماء کو بھی لاحق ہے' یہ ہے کہ ''جہاد'' کے معنی ''جنگ'' کے ہیں۔ گویا کہ ''جہاد'' کو ''قتال'' کے مترادف یا ہم معنی قرار دے دیا گیا ہے۔ غور طلب بات ہے کہ لسانیات کا یہ بنیادی اصول ہے کہ کسی بھی زبان کے دو الفاظ بالکل ایک مفہوم کے حامل نہیں ہوتے۔''(۳۱)

''جہاد اور قتال کو مترادف سمجھ لینے کا نتیجہ یہ نکلا کہ خود جہاد کو فرضِ عین کی بجائے فرضِ کفایہ سمجھ لیا گیا۔ اس کے نتیجے میں جہاد کا تصور ہمارے دینی تصورات سے بحیثیت مجموعی خارج ہو گیا اور اس کی کوئی اہمیت نہ رہی۔''(۳۲)

''ایک دوسری چیز جس نے میرے نزدیک جلتی پر تیل کا کام کیا ہے اور پھر اس کی وجہ سے اصل بدنامی مسلمانوں کے حصے میں آئی ہے' یہ مغالطہ ہے کہ مسلمان جب بھی جنگ کرے وہ جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ اس غلط فہمی کے بدترین نتائج نکلے اور اس نے جہاد فی سبیل اللہ کی اصطلاح کو بری طرح بدنام کیا۔ ظاہر بات ہے کہ ہمارے دَورِ ملوکیت

میں بادشاہ جو جنگیں کرتے تھے ان کا محرک ان کی ہوسِ ملک گیری ہوتی تھی تاکہ بڑے سے بڑے محل بنا سکیں اور زیادہ سے زیادہ محصولات (Revenues) اکٹھے ہو سکیں۔ لیکن ان جنگوں کو بھی جہاد فی سبیل اللہ کہا گیا۔‘‘(۳۳)

جہاد فی سبیل اللہ کے ضمن میں مغالطوں کو واضح کرنے کے بعد ڈاکٹر صاحبؒ جہاد فی سبیل اللہ کی تین منزلوں کی نشاندہی کرتے ہیں:

’’جہاد فی سبیل اللہ کی اوّلین منزل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ شریعت کے اوامر و نواہی کا پابند ہونے کے لیے جہاد کیا جائے۔ اس کے لیے سب سے پہلے اپنے نفس امارہ کے خلاف جہاد ضروری ہے۔‘‘(۳۴)

’’جہاد فی سبیل اللہ کی دوسری منزل باطل عقائد و نظریات کے خلاف جہاد ہے۔‘‘(۳۵)

’’جہاد فی سبیل اللہ کی بلند ترین منزل نظام کی سطح پر جہاد یعنی نظام کو بدلنے کی جدوجہد ہے۔ یہ اللہ کے دین کے غلبہ کے لیے باطل نظام اور طاغوت کے خلاف جہاد ہے۔‘‘(۳۶)

’’پہلی دو منزلوں کے جہاد کا جہاد فی سبیل اللہ ہونا اس شرط سے مشروط ہے کہ ہدف تیسری منزل ہو۔ اگر پیش نظر اقامت دین نہیں ہے تو پھر یہ چیزیں جہاد فی سبیل اللہ شمار نہیں ہوں گی۔ ہوسکتا ہے کہ پہلی منزل پر تزکیۂ نفس خانقاہی نظام بن کر رہ جائے اور بس تزکیہ اور تربیت کا یہی عمل نسلاً بعد نسلٍ چلتا رہے۔ اسی طرح اگر دعوت و تبلیغ کا ہدف بھی ’’اقامت دین‘‘ نہیں ہے تو پھر یہ بھی جہاد فی سبیل اللہ کے کھاتے میں شمار نہیں ہوگی۔ ع ’’آہ وہ تیرِ نیم کش جس کا نہ ہو کوئی ہدف!‘‘

لہٰذا آغاز ہی سے ہدف اقامت دین اور غلبۂ دین ہونا چاہیے۔ ابتدا ہی سے یہ ہدف سامنے رہنا چاہیے۔ اس لیے کہ ساری جدّوجہد منزل بہ منزل اسی کے لیے ہو رہی ہے۔‘‘(۳۷)

ڈاکٹر صاحبؒ کے نزدیک تیسری منزل پر آ کر جہاد فی سبیل اللہ اپنی بلند ترین صورت یعنی قتال فی سبیل اللہ یا مسلّح تصادم کی صورت اختیار کر لیتا ہے:

’’اللہ کے دین کے غلبے کی جدّوجہد کو اپنی زندگی کا مقصد نہیں بنایا گیا تو پھر یہ زندگی میرے نزدیک نفاق کی زندگی ہے۔ پھر اس باطل نظام کے تحت پھلنا‘ پھولنا‘ اپنی جائیدادیں بنانا اور کاروبار چمکانا جائز نہیں ہے۔ ایسی حالت میں بندۂ مؤمن اور کچھ نہ کرے لیکن under protest ضرور رہے‘ کیونکہ وہ مجبور ہے۔ وہ ان حالات میں ایک مجاہد کی حیثیت سے رہے اور مسلسل جہاد کرتا رہے۔ کم سے کم درجے میں اس نظام سے شدید نفرت تو ہو‘ اس کے ساتھ ہم آہنگی نہ ہو‘ اس نظام کی خدمت نہ کی جائے‘ اس

کی چاکری نہ کی جائے‘ اس کے ساتھ مصالحت (reconciliation) نہ ہو‘ بلکہ ایک جدوجہد ہو اور انسان یہ سمجھے کہ یہ میرے لیے فرضِ عین ہے۔ یہ جہاد بندۂ مؤمن پر فرضِ عین ہے۔ اس جہاد کے بغیر نجات نہیں ہے اور اس جہاد کے بغیر ایمان نہیں ہے۔ یہی وہ جہاد ہے جس کے بارے میں محمد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَلْجِهَادُ مَاضٍ مُنْذُ بَعَثَنِيَ اللّٰهُ اِلٰى اَنْ يُّقَاتِلَ آخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ الدَّجَّالَ))(۳۸)

’’جہاد (فی سبیل اللہ) جاری ہے اس دن سے لے کر جس دن اللہ نے مجھے مبعوث کیا تھا اور اس وقت تک جاری رہے گا جب میری اُمت کا آخری حصہ دجال کے ساتھ جنگ کرے گا۔‘‘

چنانچہ نوٹ کیجیے‘ بارہ برس مکہ میں جو جہاد ہوا وہ بھی جہاد فی سبیل اللہ تھا‘ قتال تو کہیں پندرہ برس بعد جا کر میدانِ بدر کے اندر ہوا ہے۔ پہلے جہاد حضور ﷺ نے تن تنہا کیا‘ پھر آپ ﷺ پر ایمان لانے والے آپ کے ساتھیوں نے یہی جہاد کیا۔ بارہ برس صبر محض (passive resistance) میں گزرے ہیں تو اس دوران بھی جہاد فی سبیل اللہ منزل بہ منزل آگے بڑھتا رہا ہے اور پھر اقدام (active resistance) کا ایک دو سال کا عرصہ ہے اور پھر جا کر مسلح تصادم (armed conflict) یعنی قتال فی سبیل اللہ کا مرحلہ آیا ہے۔‘‘(۳۹)

(جاری ہے)

حوالہ جات وحواشی

(۱) صحیح البخاری‘ کتاب الادب ‘باب رحمة الناس والبهائم۔

(۲) سنن ابن ماجه ‘ المقدمة‘ باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين المهديين۔

(۳) ڈاکٹر اسرار احمدؒ‘ تعارفِ قرآن مع عظمتِ قرآن‘ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور‘ مئی ۲۰۰۹ء‘ ص ۹۵‘۹۶۔

(۴) صحیح مسلم‘ کتاب صلاة المسافرين و قصرها ‘باب فضل من يقوم بالقرآن.....

(۵) صحیح مسلم‘ کتاب الطهارة ‘باب فضل الوضوء۔

(۶) ڈاکٹر اسرار احمدؒ‘ مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق‘ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور‘ اکتوبر ۲۰۱۱ء‘ ص ۶ تا ۷۔

(۷) سنن النسائی‘ کتاب صلاة العيدين‘ باب كيف الخطبة۔

(۸) ڈاکٹر اسرار احمدؒ‘ مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق‘ ص ۵ تا ۶۔

(۹) ایضاً‘ ص ۷۔

(۱۰) ایضاً‘ ص ۵۲‘ ۵۳۔

(۱۱)ڈاکٹر اسرار احمد‘فرائضِ دینی کا جامع تصور‘تنظیم اسلامی‘ گڑھی شاہو‘لاہور‘فروری ۲۰۰۵ء‘ص ۸۷۔

(۱۲)ایضاً‘ص ۱۰۔ (۱۳)ایضاً‘ص ۱۹‘۲۰۔

(۱۴)ایضاً‘ص ۲۴‘۲۵۔ (۱۵)ایضاً‘ص ۲۸‘۲۹۔

(۱۶) مسند احمد‘مسند الشامیین‘حدیث الحارث الاشعری عن النبی ﷺ۔

(۱۷) سنن النسائی‘ کتاب البیعة‘ باب هجرة البادی۔ عن عبد اللّٰه بن عمرو رضی اللّٰه عنهما ۔

(۱۸)ڈاکٹر اسرار احمد‘فرائض دینی کا جامع تصور‘ص ۳۴‘۳۵۔

(۱۹)ایضاً‘ص ۳۵۔ (۲۰)ایضاً‘ص ۳۶۔

(۲۱)ڈاکٹر اسرار احمد ‘مسلمان خواتین کے دینی فرائض‘ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور‘ جنوری ۲۰۱۱ء‘ص ۳‘۴۔

(۲۲)ایضاً‘ص ۱۰۔ (۲۳)ایضاً‘ص ۱۰‘۱۱۔

(۲۴)ایضاً‘ص ۱۵‘۱۶۔ (۲۵)ایضاً‘ص ۱۶‘۱۷۔

(۲۶)ایضاً‘ص ۱۷۔ (۲۷)ایضاً‘ص ۲۰‘۲۱۔

(۲۸)ایضاً‘ص ۲۳‘۲۴۔ (۲۹)ایضاً‘ص ۲۹‘۳۰۔

(۳۰)شعب الایمان للبیهقی‘التاسع و الثلاثون من شعب الایمان‘باب فی حقوق الاولاد و الاهلین۔

(۳۱)ڈاکٹر اسرار احمد‘جہاد فی سبیل اللہ‘اصل حقیقت‘اہمیت ولزوم اور مراحل و مدارج‘مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور‘مئی ۲۰۰۸‘ص ۹‘۸۔

(۳۲)ایضاً‘ص ۱۱۔ (۳۳)ایضاً‘ص ۱۱‘۱۲۔

(۳۴)ایضاً‘مئی ۲۰۰۸‘ص ۲۷۔ (۳۵)ایضاً‘ص ۳۳۔

(۳۶)ایضاً‘ص ۵۰۔ (۳۷)ایضاً‘ص ۶۷‘۶۸۔

(۳۸)سنن ابی داؤد‘ کتاب الجهاد‘ باب فی الغزو مع ائمة الجور۔

(۳۹)ڈاکٹر اسرار احمد‘جہاد فی سبیل اللہ‘اصل حقیقت‘اہمیت ولزوم اور مراحل و مدارج‘ص ۶۸‘۶۹۔

جہاد فی سبیل اللہ

اصل حقیقت‘ اہمیت ولزوم اور مراحل و مدارج

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ کا ایک جامع خطاب

انجمن خدام القرآن (قرآن اکیڈمی) سندھ، کراچی

کے تحت

داعیٔ قرآن ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کے جاری کردہ

قرآن فہمی کورس پارٹ I اور II

میں داخلوں کا اعلان

جدید تعلیم یافتہ حضرات وخواتین کے لئے علومِ دینیہ کی تحصیل کا نادر موقع!

پارٹ I

- علم تجوید
- آسان عربی گرامر
- مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب
- ترجمۂ قرآن حکیم
- سیرت النبی ﷺ
- دورۂ ترجمۂ قرآن
- مطالعۂ حدیث
- عقیدہ وفقہ
- اسپیشل لیکچرز
- کلام اقبال

پارٹ II

- علم تفسیر
- علم حدیث
- علم فقہ
- اصولِ تفسیر
- اصول حدیث
- اصول فقہ
- عقیدہ
- عربی زبان وادب
- تحریکیات
- اضافی محاضرات

- پارٹ I اور پارٹ II دونوں ایک ایک سال کے دورانیے پر مبنی ہیں
- پارٹ I میں داخلے کے لئے انٹرمیڈیٹ یا مساوی سند درکار ہوگی
- آغاز: 3 ستمبر 2012ء
- پارٹ II میں داخلے کے لئے پارٹ I یا مساوی سند لازمی ہے
- خواتین کے لئے شریعت کے مطابق باپردہ اہتمام
- اہل طلبہ کے لئے مناسب اسکالرشپ
- شہر کے باہر سے آنے والے طلبہ کے لئے ہاسٹل اور میس کی عمدہ سہولت موجود ہے۔

نوٹ: واضح رہے کہ ہاسٹل/میس کی سہولت قرآن اکیڈمی یاسین آباد میں صرف حضرات کے لئے دستیاب ہے۔

اسی طرح فی الوقت پارٹ II کا کورس بھی صرف حضرات کے لئے یاسین آباد اکیڈمی میں منعقد کیا جا رہا ہے۔

تعارفی نشست:
بروز اتوار 2/ستمبر 2012ء صبح 10:00 بجے تا نماز ظہر
بمقام: قرآن اکیڈمی ڈیفنس، مسجد جامع القرآن خیابان راحت فیز 6 درخشاں ڈیفنس، کراچی 021-35340022-23

مقاماتِ تدریس:
1. قرآن اکیڈمی ڈیفنس، مسجد جامع القرآن خیابان راحت فیز 6 درخشاں ڈیفنس، کراچی 021-35340022-23
2. قرآن اکیڈمی یاسین آباد، شارع قرآن اکیڈمی، بلاک 9، فیڈرل بی ایریا، کراچی 021-36806561
3. قرآن مرکز گلستان جوہر، مسجد باب القرآن، سالکین بسیرا، بلاک 14 کراچی 021-34255995

مزید تفصیلات، پراسپیکٹس اور داخلہ فارم ویب سائٹ سے حاصل کریں

www.QuranAcademy.com

اقتضائے خلافت اور دجّالیت

محمد رشید عمر

شہادت علی الناس، عدل وانصاف کا قیام، امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور انسانیت کو نفع رسانی اُمتِ مسلمہ کے فرائض ہیں۔ان فرائض کی ادائیگی کے لیے اُمتِ مسلمہ کو رہنما ہدایت قرآن وسنت اور قوتِ نافذہ کے لیے بے شمار وسائل سے نوازا گیا ہے۔ان فرائض کی ادائیگی میں کیا کارکردگی دکھائی؟ قیامت کے دن ہر فردِ اُمت اللہ کے حضور جواب دہ ہے۔چنانچہ حیاتِ دُنیوی کے بارے میں ہمارا نقطہ نظر اور فرائض کی ادائیگی کے لیے ہمارا طرزِ عمل کیا ہونا چاہیے؟ درج ذیل سطور میں قرآن وسنت کی روشنی میں اس اہم مسئلہ کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔سورۃ الکہف میں ارشاد ہے:

﴿اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝۷ وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا ۝۸﴾

''ہم نے جو کچھ زمین پر بنایا ہے اس کی رونق کے لیے بنایا ہے، تاکہ جانچیں کون اچھے عمل کرتا ہے۔اور (ایک دن) ہم بنا دیں گے جو کچھ اس پر ہے صاف چٹیل میدان۔''

قرآن مجید کی ایک ایسی سورۂ مبارکہ جس کو دجالی فتنہ سے بچاؤ کا علاج قرار دیا گیا ہے اس کی دو آیات میں دنیا کی حقیقت اور اس میں رہتے ہوئے ہماری ذمہ داریاں کیا ہیں؟ واضح فرما دی ہیں۔قرآن مجید میں آخر الذکر پہلو کوئی اور انداز سے بھی ہمارے سامنے رکھا گیا ہے: مثلاً:

﴿اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ۭ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا..... وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝۲۰﴾ (الحدید)

''یہ جان رکھو کہ دنیا کی زندگی (اور کچھ نہیں) بس کھیل اور تماشا ہے، بناؤ سنگھار ہے، ایک دوسرے پر بڑائی جتلانا ہے، اور ایک دوسرے سے مال اور اولاد میں مقابلہ بازی ہے۔اس

کی مثال ایک بارش کی سی ہے جس کی پیداوار نے کسان کو خوش کر دیا، پھر وہ پک جاتی ہے، پھر تم دیکھتے ہو کہ وہ زرد پڑ گئی، پھر بھس بن کر رہ گئی..... اور دنیا کی زندگی تو بس دھوکے کا سامان ہے۔''

﴿فَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ﴾ (الشوریٰ:۳۶)

''(اے لوگو) جو کچھ تمہیں دیا گیا ہے وہ دنیا کی چند روزہ زندگی کا سامان ہے۔''

آخرت کے مقابلے میں اس چند روزہ دنیا کی حقیقت کو رسول اللہ ﷺ نے ایک مثال کے ذریعے واضح فرمایا۔حضرت مستورد بن شداد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

((وَاللّٰهِ مَا الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ اِلَّا مِثْلُ مَا يَجْعَلُ اَحَدُكُمْ اِصْبَعَهٗ ..... فِي الْيَمِّ فَلْيَنْظُرْ بِمَ تَرْجِعُ)) (۱)

''اللہ کی قسم، آخرت کے مقابلے میں دنیا کی مثال بس اتنی سی ہے جیسے تم میں سے کوئی اپنی انگلی دریا میں ڈالے، پھر وہ غور کرے کہ انگلی کے ساتھ کتنا پانی لگتا ہے!''

اس دنیا پر ریجھ جانے والوں کے بارے میں اللہ کا فیصلہ یہ ہے:

﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ۝۱۰۳ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ۝۱۰۴﴾ (الکہف)

''کہہ دیجیے: کیا میں تم کو وہ لوگ بتلاؤں جو عمل کی راہ میں بہت گھاٹے میں پڑ گئے۔یہ وہ لوگ ہیں جن کی ساری تگ ودو دُنیوی زندگی کے لیے کھپ گئی اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہم اچھا کام کر رہے ہیں۔''

اللہ کی نظر میں اس دنیا کی حقیقت کو بھی نبی کریم ﷺ نے ایک مثال کے ذریعے بیان فرمایا ہے۔حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَرَّ بِالسُّوْقِ ..... فَمَرَّ بِجَدْيٍ اَسَكَّ مَيِّتٍ ..... قَالَ ((اَيُّكُمْ يُحِبُّ اَنْ هٰذَا لَهٗ بِدِرْهَمٍ ؟)) فَقَالُوْا: مَا نُحِبُّ اَنَّهٗ لَنَا بِشَيْءٍ ..... قَالَ ((فَوَ اللّٰهِ لَلدُّنْيَا اَهْوَنُ عَلَى اللّٰهِ مِنْ هٰذَا عَلَيْكُمْ)) (۲)

''رسول اللہ ﷺ بازار سے گزر رہے تھے..... آپ بھیڑ کے ایک مردہ بچے کے پاس سے گزرے..... آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے پوچھا: ''تم میں سے کون شخص ایک درھم

کے عوض اس کو لینا پسند کرے گا؟'' سب نے کہا: ہم تو کسی معمولی چیز کے بدلے بھی اپنے لیے اس کو پسند نہیں کرتے ..... آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم' دنیا اللہ کے نزدیک اس سے بھی حقیر ہے جتنا تمہارے نزدیک یہ حقیر ہے۔''

سورۃ المؤمنون میں فرمایا:

﴿قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ۝۱۱۲ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْـَٔلِ الْعَاۗدِّيْنَ ۝۱۱۳ قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۱۱۴﴾

''اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم زمین میں کتنے برس رہے ہو گے؟ وہ کہیں گے: ہم شاید ایک دن یا ایک دن سے بھی کم رہے ہوں گے' حساب جاننے والوں سے پوچھ لیجئے۔ اللہ فرمائے گا: بے شک تم تھوڑا ہی رہے' کاش تم (یہ حقیقت دنیا کی زندگی میں) جانتے ہوتے۔''

دنیا کی اس بے ثباتی کے باوجود انسانوں کی اکثریت اس نظریہ پر عمل پیرا نظر آتی ہے ع ''بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست'' جبکہ بہت سارے دوسرے لوگ اس کے برعکس دنیا سے نفرت' بے رغبتی اور رہبانیت کا درس دیتے نظر آتے ہیں۔ سورۃ الکہف کی اول الذکر آیت مبارکہ دُنیوی زندگی میں ہماری ذمہ داریوں کو ہمارے سامنے واضح کرتی ہے کہ آراستہ و پیراستہ دُنیا اللہ نے ہمیں آزمانے کے لیے دی ہے۔ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے وہ ہمارے لیے ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے آسمان و زمین کو پیدا فرمایا' پھر جب چاہا نسلِ انسانی کا سلسلہ اس میں جاری فرما دیا' بلکہ زمین کی تزئین اور اس کی قوت اَرزاقیہ اور اسی طرح آسمان اور جو کچھ اس میں ہے' اس میں انسانی خدمت کا سامان اس طرح رکھ دیا گیا جیسے ہم دیکھتے ہیں کہ بچے کی پیدائش سے پہلے ذات باری تعالیٰ ماں کے سینے میں اس کی خوراک کا بندوبست اور دل میں محبت و شفقت پیدا فرما دیتے ہیں۔ اس کی پیدائش کے لمحات جوں جوں قریب آتے جاتے ہیں' دنیا میں اس کے استقبال کی تیاریاں شروع ہو جاتی ہیں' اور پیدا ہونے کے بعد اس کو بہتر سے بہتر سہولت میں رکھا جاتا ہے۔ زمین و آسمان کی تخلیق کے مقصد کا تعلق انسانی تخلیق کے ساتھ خالقِ کائنات نے رکھا ہے۔ چنانچہ سورۃ الدخان میں فرمایا:

﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ۝۳۸ مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۳۹﴾

''اور ہم نے آسمانوں اور زمین اور جو ان کے بیچ میں ہے' کھیل نہیں بنایا۔ ہم نے نہیں پیدا کیا ان کو مگر بامقصد' لیکن بہت سارے لوگ نہیں جانتے۔''

ان کی تخلیق کا وہ کون سا مقصد ہے جو انسانوں کی اکثریت کی نگاہوں سے اوجھل ہے' سورۃ الکہف کی متذکرہ بالا آیہ مبارکہ کے علاوہ سورۃ الملک میں فرمایا:

﴿اَلَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ﴾ (آیت ۲)

''(اللہ ہی وہ ذات ہے) جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تا کہ وہ تم لوگوں کو آزمائے کہ تم میں کون عمل میں بہتر ہے۔''

یعنی یہ سب کچھ ہمیں عطا کر کے وہ دیکھنا چاہتا ہے کہ کون اس میں بہتر کارکردگی دکھاتا ہے اور پھر اس کے متعلق ہمیں جواب دہ بنایا ہے۔ قیامت کے دن ہم سے اس کا حساب لیا جائے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝۲۲﴾ (الجاثیۃ)

''اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو بامقصد پیدا فرمایا ہے' تا کہ ہر شخص کو اس کے کیے کا بدلا مل جائے اور ان پر ظلم نہ ہو۔''

اس جہان میں کیا کرنا مطلوب ہے اور کس چیز کی جواب دہی ہے؟ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: ''قیامت کے دن بنی آدم کے قدم پانچ چیزوں کا جواب دیے بغیر ہل نہیں سکیں گے: (۱) زندگی کن کاموں میں گزاری؟ (۲) جوانی کن کاموں میں کھپائی؟ (۳) مال و دولت کہاں سے کمایا؟ (۴) کہاں خرچ کیا؟ (۵) جو علم حاصل کیا تھا' اس کا استعمال کیا کیا؟''

جب یہ باتیں بیان کی جاتی ہیں تو ہماری سوچ ہماری ذات تک محدود ہو کے رہ جاتی ہے۔ اُمتِ مسلمہ بھی ایک جسدِ واحد کا درجہ رکھتی ہے۔ اس اُمت کی زندگی' اس کے وسائل اور اجتماعی علم اور اس کے ذرائع کس لیے خرچ ہو رہے ہیں؟ کیا ہم ان کا فائدہ اٹھا بھی رہے ہیں یا نہیں؟ اس حوالے سے اگر غور کریں گے تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے۔ ہمیں بقیہ تمام اُمتوں سے بڑھ کر مہلتِ عمر دی گئی ہے' عذابِ استیصال ہم سے روک دیا گیا ہے' علم و حکمت کی کلید ہمیں حاصل ہے۔ وہ علم و حکمت جس کی بنا پر آدم علیہ السلام کو جبرائیل' اسرافیل' میکائیل' عزرائیل' ہاروت ماروت' ملک الجبال' رضوان' مالک اور رعد سمیت تمام فرشتوں نے سجدہ کیا۔ آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے ناموں کا علم اور ان کے استعمال کا علم دیا گیا اور یہ باور کرایا گیا کہ وہ ان کا استعمال اللہ کے حکم کے تابع رہ کر کریں گے۔ ان کی خلافت جو دنیا میں پہلی انسانی خلافت تھی' اللہ تعالیٰ نے اسے محکم فرمایا۔ وہ علم جس کی بنا پر داؤد علیہ السلام کے

لیے دھات کاری آسان بنادی گئی۔ وہ علم جس کی بنا پر سلیمان علیہ السلام کے لیے ہواؤں اور پانیوں کو مسخر کر دیا گیا۔ چرند، پرند اور جن تمام ان کے خادم بن گئے۔ یہاں تک کہ ان کے ایک درباری کو اس علمی قوت سے نوازا گیا تھا کہ وہ پلک جھپکنے میں تختِ بلقیس کو اٹھا کر لے آئے۔ معراج کی فضیلت سے نبی کریم ﷺ کو نوازا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بغیر کسی حسی ذریعے کے میدان جنگ میں برسرِ پیکار سپہ سالار کو پینترا بدلنے کی ہدایت دی۔ ہم اس علم کے وارث ہیں۔ اور زمین و آسمان کی ہر شے پیدا کر کے ہمیں اس میں تصرف کا اختیار کامل عطا کر دیا گیا۔ قرآن حکیم میں اس حوالے سے فرمایا گیا:

﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا﴾ (البقرۃ:۲۹)

''وہی ہے تو جس نے زمین کی سب چیزوں کو تمہارے لیے پیدا کیا ہے۔''

مزید فرمایا:

﴿وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ﴾ (الجاثیۃ)

''اور جتنی چیزیں آسمانوں میں ہیں اور جتنی چیزیں زمین میں ہیں ان سب کو تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے۔ بے شک غور کرنے والوں کے لیے ان میں نشانیاں ہیں۔''

تخلیق کائنات کے کون سے گوشے ہیں جو انسانی غور و فکر کے محتاج ہیں۔ فرمایا:

﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ﴾ (البقرۃ)

''بلاشبہ آسمان و زمین کے پیدا کرنے میں، اور یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آنے میں، اور کشتیوں میں جو انسان کی نفع کی چیزیں لیے ہوئے سمندر میں چلتی ہیں، اور (بارش کے) اس پانی میں جسے اللہ نے آسمان سے اتارا پھر اس کے ذریعے سے اس نے زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد جلا اٹھایا اور اس میں طرح طرح کے حیوانات پھیلا دیے، اور ہواؤں کی گردش میں اور ان بادلوں میں جو آسمان و زمین کے درمیان تابع فرمان بنا کر رکھے گئے ہیں، ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں (بڑی ہی) نشانیاں ہیں۔''

اسی طرح سورۃ الواقعہ میں فرمایا:

﴿اَفَرَءَیْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ﴿۵۸﴾ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿۵۹﴾ ..... اَفَرَءَیْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ﴿۶۳﴾ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ﴿۶۴﴾ ..... اَفَرَءَیْتُمُ الْمَآءَ الَّذِیْ تَشْرَبُوْنَ ﴿۶۸﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ﴿۶۹﴾ ..... اَفَرَءَیْتُمُ النَّارَ الَّتِیْ تُوْرُوْنَ ﴿۷۱﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَاۤ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ ﴿۷۲﴾﴾

''کبھی تم نے غور کیا کہ نطفہ جو تم (عورتوں کے رحم میں) پہنچاتے ہو، اس سے آدمی تم بناتے ہو یا اس کے بنانے والے ہم ہیں؟ ..... کبھی تم نے غور کیا کہ جو بیج تم بوتے ہو، اس سے کھیتیاں تم اُگاتے ہو یا اُگانے والے ہم ہیں؟ ..... کبھی تم نے غور کیا کہ جو پانی تم پیتے ہو، اسے تم نے بادلوں سے اُتارا یا اُتارنے والے ہم ہیں؟ ..... کبھی تم نے غور کیا کہ یہ آگ جو تم سلگاتے ہو، اس کا درخت تم نے پیدا کیا ہے یا پیدا کرنے والے ہم ہیں؟''

نبی کریم ﷺ نے ان سوالوں کا جواب ہمیں تعلیم فرمایا کہ اے اللہ تو ہی سب کچھ کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ لیکن جب تک ہم عقل سے کام نہ لیں ہمارے پاس اس جیسا جواب دینے کا جواز نہیں ہے۔ اگرچہ اول و آخر، حتمی اور سادہ جواب نبی کریم ﷺ کا تعلیم کردہ ہی ہے، لیکن اس عقل سے کام لینے کی دعوت نے ہماری ذمہ داریوں کو ہمارے سامنے کھول کر رکھ دیا ہے۔ غور کیجیے کہ عقل کی معاونین کون سی صلاحیتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا کی ہیں۔ وہ بصارت، سماعت، ذائقہ اور قوتِ حس ہے۔ ان صلاحیتوں کا تقاضا ہے کہ زمین و آسمان کی تخلیق اور رات دن کے آنے جانے پر غور سے یہ بات واضح ہو جائے کہ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے وہ ہمیں زندگی میں آزمانے کے لیے دیا گیا ہے۔ زمین و آسمان کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ نے کن قوانین سے کام لیا ہے؟ کن قوانین کے تحت ان کو مربوط کیا ہے؟ ان قوانین کو دریافت کریں۔ ان کی مخفی قوتوں اور دھاتوں کے خزانوں کو کس طرح اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ جب تخلیق انسانی پر غور کریں تو پھر پیدائش کے عمل اور اس کے مراحل پر تحقیق کریں، ان کی پیچیدگیوں کو سمجھیں اور اس میں پیش آنے والے مسائل کا علاج دریافت کریں۔ انسانی صحت کی بہتری اور خراب کرنے والی بیماریوں کا حل ڈھونڈیں۔ جو عجائبات سماعت و بصارت اور دماغ میں رکھے ہیں، کن اصولوں پر کام کرتے ہیں؟ ان کو دریافت کر کے ان کی صلاحیتوں میں اضافہ کریں۔ ہمارا میدان عمل تو آسمانوں تک پھیلا ہوا

ہے۔زراعت کے مسائل پر غور کریں۔کس طرح زرعی پیداوار میں اضافہ کیا جاسکتا ہے؟ زرعی مسائل کا حل کیا ہے؟ پانی کے اندر مخفی قوتوں کا کھوج لگائیں۔ بھاپ کی طاقت سے تو بڑی خدمت لی جاسکتی ہے۔اس کی کیمسٹری میں تھوڑی ترمیم کر کے بہت سارے دوسرے کام لیے جارہے ہیں۔بجلی پیدا کرنے کا ذریعہ بن سکتا ہے۔شاید بطور ایندھن بھی اس سے کام لیا جاسکے۔اسی طرح آگ جلانے کے لیے لکڑی ایک ذریعہ ہے۔اللہ تعالیٰ نے توانائی کے اور کتنے ذرائع ہیں جو ہمیں عطا کیے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے کوئلہ اور گیس و پٹرول کے ذخائر ہمیں عطا کیے ہیں۔ایٹمی توانائی بھی اسی نے پیدا کی ہے۔شعاع میں کتنی قوت ہے اور اس سے کیا کیا کام لیے جاسکتے ہیں؟ اڑتے پرندوں کو دیکھ کر ہوا کی طاقت کی مختلف شکلیں ہم حاصل نہیں کر سکتے۔ یہ چند اشارے ہیں جو آپ کے سامنے رکھے ہیں۔کون لوگ ہیں جنہوں نے ان چیزوں سے کام لیا ہے؟ ان قوموں نے ان سے کام لیا ہے جو الضالین اور مغضوب علیھم ہیں۔میری مراد یہود و نصاریٰ اور کافر و مشرک لوگ ہیں جنہوں نے خداداد صلاحیتوں سے کام لے کر ان خزانوں کے منہ کھولے ہیں اور دھڑا دھڑ انسانی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔دوسری طرف امت مسلمہ ہے جس نے اپنی سوچ و فکر پر تالے لگائے ہوئے ہیں اور خدائی خزانوں سے استفادہ کی راہ تلاش کرنے سے عاجز ہیں۔یہ خزانے اللہ تعالیٰ نے اپنے باغیوں اور سرکشوں کی تحویل میں دینے کے لیے نہیں بنائے تھے کہ ان کو اپنی تسکین نفس کے لیے استعمال کریں اور اللہ کے حضور فرشتوں کے قول کو سچ کر دکھائیں:

﴿اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ﴾ (البقرۃ: ۳۰)

''کیا تو زمین میں ایسے شخص کو نائب بنانا چاہتا ہے جو اس میں فساد برپا کرے اور خون ریزیاں کرے؟''

اللہ تعالیٰ کے ان باغیوں نے ان وسائل کا استعمال اسی مقصد کے لیے کر کے دنیا میں ظلم کا بازار گرم کر رکھا ہے۔یہ وہ باغی ہیں جنہوں نے لوہے کی طاقت کا استعمال کیا ہے۔تلوار سے آگے اس کو بیلسٹک میزائل' لیزر میزائل بم' ڈیزی کٹر بم اور ایٹم بم کی شکل دی ہے۔پھر اس کو تخت سلیمان بنا کر ہواؤں میں اڑا دیا ہے۔بار برداری کے بڑے بڑے ہوائی اور بحری جہاز انہوں نے ایجاد کیے ہیں۔اس قوت کو ہاتھ میں لے کر یہ اللہ اور اس کے نبیوں کی توہین کرنے والے لوگ شیطانی نظام حیات کے ایجنڈے کو دنیا پر مسلط کر رہے ہیں۔علوم و فنون کی ترقی اور تحقیق کے ذریعے قوت کے ذرائع کو ہاتھ میں لے کر انسانی نظام حیات کو اپنی مرضی سے جیسے

چاہتے ہیں ڈھال رہے ہیں۔

آپ غور کریں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سب کچھ پیدا کر کے ان باغیوں کے حوالے کرنا تھا؟ نہیں! اس کے اولین مستحق تو اس کے ماننے والے ہیں۔ان کی قوتِ فکر کو جھنجھوڑا گیا ہے کہ وہ ان سے کام لیں۔زمین آسمان اور جو کچھ اس کے اندر موجود ہے' ان میں سے مخفی منفعت کے پہلوؤں کو دریافت کر کے انسانی مسائل کا حل پیش کریں۔غور کیجیے' بڑے بڑے انسانی مسائل میں صحت' تعلیم' خوراک' لباس' ذرائع مواصلات وغیرہ ہیں۔اس حوالے سے رسول کریم ﷺ کے فرمان کو سامنے رکھیے۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ' وَمَنْ يَسَّرَ عَلٰى مُعْسِرٍ يَسَّرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ' وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ' وَاللّٰهُ فِيْ عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِيْ عَوْنِ اَخِيْهِ)) (۳)

''جو کسی مسلمان کی دُنیوی تکلیف اور پریشانی دور کرے گا (اس کے عوض) اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کی تکلیف اور پریشانی سے اس کو نجات دے گا۔جو کسی تنگ دست کو سہولت دے گا اللہ تعالیٰ اس کو دنیا اور آخرت میں سہولت دے گا' اور جو کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا اللہ تعالیٰ دُنیا اور آخرت میں اس کی پردہ پوشی کرے گا' اور جو کوئی بندہ جب تک اپنے بھائی کی اعانت میں لگا رہے گا اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتا رہے گا۔''

ایک دوسری روایت جو حضرت انس اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلْخَلْقُ عَيَالُ اللّٰهِ' فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَى اللّٰهِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰى عَيَالِهٖ)) (٤)

''ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔پس اللہ کو زیادہ محبوب اپنی مخلوق میں وہ آدمی ہے جو اس کے عیال (مخلوق) کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔''

نبی اکرم ﷺ کے ایک اور فرمان کا مفہوم کچھ اس طرح ہے:

''قیامت کے دن اللہ بندے سے فرمائے گا: میں بھوکا تھا' تو نے مجھے کھلایا نہیں؟ بندہ عرض کرے گا: یا اللہ' آپ تو ربّ العالمین ہیں' میں آپ کو کیسے کھلاتا؟ اللہ فرمائے گا: میرے ایک بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا' اگر تو اسے دیتا تو مجھے اس کے پاس موجود پاتا۔اللہ فرمائے گا: میں پیاسا تھا تو نے مجھے پلایا نہیں؟ بندہ عرض کرے گا: یا اللہ' آپ

تو ربّ العالمین ہیں‘ میں آپ کو کیسے پلاتا؟ اللہ فرمائے گا: میرے ایک بندے نے تجھ سے پانی مانگا تھا‘ اگر تو اسے پلاتا تو مجھے اس کے پاس موجود پاتا۔ یا اللہ فرمائے گا: میں ننگا تھا تو نے مجھے لباس نہیں دیا؟ بندہ عرض کرے گا: یا اللہ‘ آپ تو رب العالمین ہیں‘ میں آپ کو کیسے پہناتا؟ اللہ فرمائے گا: میرے ایک بندے نے تجھ سے لباس مانگا تھا‘ اگر تو اسے دیتا تو مجھے اس کے پاس موجود پاتا۔‘‘

آپ ان فرموداتِ نبویہ ﷺ کو سامنے رکھیے اور انسانی مسائل کو ذہن میں لائیے اور اپنی سوچ وفکر کو اپنی ذات سے آگے پوری اُمتِ مسلمہ اور پھر پوری انسانیت تک لے جائیے۔ اُمتِ مسلمہ کو اللہ تعالیٰ نے کون سی نعمت ہے جس سے نہیں نوازا۔ سورۃ الرحمٰن کی ایک آیت مبارکہ مسلسل تکرار کے ساتھ نازل فرمائی:

﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ۝﴾

’’پس تم اپنے ربّ کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے؟‘‘

ان نعمتوں کو اُمت کے تمام افراد تک لے جانا‘ ان کے مسائل کے حل کے لیے اللہ کے خزانوں کو دریافت کرنا‘ کام میں لانا‘ عقولِ اجتماعیہ کی ذمہ داری نہیں ہے؟ اور پھر پوری انسانیت میں ان سے استفادہ کر سکنے اور عدل وانصاف کی فراہمی بہت بڑا انسانی مسئلہ ہے۔ حقوق وفرائض میں اعتدال کی راہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور رسل کو مبعوث فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِیَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَیْبِ ؕ﴾ (الحدید:۲۵)

’’ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا اور ان پر کتابیں نازل کیں اور ترازو (یعنی قواعد عدل) تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔ اور ہم نے لوہا اتارا اِس میں (اسلحہ جنگ کے لحاظ سے) زبردست قوت ہے اور لوگوں کے لیے فائدے بھی ہیں‘ اور اس لیے کہ اللہ واضح کر دے کہ کون لوگ بن دیکھے اللہ اور اس کے پیغمبروں کی مدد کرتے ہیں۔‘‘

اُمتِ مسلمہ کے افراد اور وہ جماعتیں جو دین کا نام لیتی ہیں‘ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے جھنڈے کی عَلَم بردار ہیں‘ دنیا کی حقیقت کے آخر الذکر پہلو کو نمایاں کرتی ہیں‘ لیکن اپنے آپ کو انہوں نے اللہ کے باغیوں کے سامنے اس صورت میں پیش کیا ہوا ہے جیسے مردہ لاش یا

دسترخوان پر سجا ہوا کھانا۔ جیسے چاہے کوئی لاش کی بوٹیاں نوچے یا جہاں سے چاہے لقمہ اٹھائے۔

جو کچھ اللہ تعالیٰ نے انہیں من حیث الامہ عقل‘ دماغ اور اپنی نعمتوں کے خزانوں سے نوازا ہے‘ جس کو اس نے فرمایا کہ ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ کون اچھے عمل کرتا ہے‘ ان صلاحیتوں سے کام لے کر انسانی منفعت کے لیے اسے پیش کرنا‘ انسانی مسائل کا حل اور عدل کا قیام‘ کیا یہ وہ سب ذمہ داریاں نہیں جن کا اللہ کے حضور جواب دینا ہوگا؟ اگر ہم دین کی سربلندی اور غالب کرنے کی ذمہ داری کو سمجھتے ہیں تو اس کے لیے تو احیاء العلوم کی کروٹ لینا ضروری ہوگا۔ اس کے بغیر اسلامی انقلاب کی راہ ہموار کرنا ممکن نہیں ہے۔ یہاں سوچنے کی بات یہ ہے کیا اس انقلاب کی راہ یہود و نصاریٰ کی اندھی تقلید سے ممکن ہے؟ وہ اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے دشمن‘ اسلام اور مسلمانوں کے دشمن‘ کیا ہمارے لیے علم کی وہ راہیں کھولنے میں مدد دیں گے جس کے نتیجے میں ہم ان پر غالب آجائیں؟ ان کے بخل اور تنگ دلی کی شہادت تو اللہ تعالیٰ نے دی ہے:

﴿وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَیْکُمْ لِیُحَآجُّوْکُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّکُمْ ؕ﴾ (البقرۃ:۷۶)

’’جب یہ اہل ایمان سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔ اور جس وقت آپس میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں: جو بات اللہ نے تم پر ظاہر فرمائی ہے وہ تم ان کو اس لیے بتائے دیتے ہو کہ (قیامت کے دن) اسی کے حوالے سے تمہارے پروردگار کے سامنے تم کو الزام دیں!‘‘

تو آج ان کی پیروی سے کیسے یہ سمجھ رہے ہیں کہ محض ان کی زبان بول کر وہ سب کچھ ہم بھی حاصل کر لیں گے جس کی وجہ سے وہ دنیا میں آگے نکل گئے ہیں۔

اس حوالے سے راستہ یہ ہے کہ ہم اللہ اور رسول ﷺ کے وفادار بن جائیں۔ جب تک اللہ اور رسول ﷺ کی وفاداری کا حق ادا نہیں کریں گے تب تک اللہ تعالیٰ ہمیں ساری تگ ودو اور خواہشات کے باوجود بھی ان سے آگے نہیں نکلنے دے گا۔ وہ قومیں اللہ کی باغی ہیں جبکہ ہم نے اس کے ساتھ وفاداری کا عہد کیا ہوا ہے۔ جب ہم عہد کو پورا نہیں کرتے تو اس سے عنایات کی توقع عبث ہے۔

﴿وَاَوْفُوْا بِعَهْدِیْٓ اُوْفِ بِعَهْدِکُمْ ۚ وَاِیَّایَ فَارْهَبُوْنِ۝۴۰﴾ (البقرۃ)

’’تم میرے ساتھ کیے ہوئے وعدے کو پورا کرو‘ میں تمہارے ساتھ کیے ہوئے اپنے وعدے کو پورا کروں گا‘ اور مجھ ہی سے ڈرو۔‘‘

اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے دو پارٹیوں میں کوئی معاہدہ ہو اور ایک پارٹی طاقتور اور دوسری کمزور ہو۔ اگر کمزور پارٹی وعدہ سے منحرف ہونے کی کوشش کرے گی تو طاقتور پارٹی کمزور کو گریبان سے پکڑے گی‘ عہد سے غداری کی سزا دے کے چھوڑے گی۔ یہی حال ہمارا ہے۔ ہم کمزور اور اللہ تعالیٰ کی ذات قوی و عزیز ہے۔ اگر ہم عہد کو پورا نہیں کریں گے تو وہ ہمیں اپنی نعمتوں سے مستفید ہونے کے قابل نہیں بننے دے گا۔ چنانچہ ہم علم و حکمت‘ تحقیق و جستجو اور ایجادات میں اہلِ مغرب سے بھی دس قدم آگے نکل سکتے ہیں اگر ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ وفاداری کا حق ادا کرنے والے بن جائیں‘ عباد الرحمٰن کی خوبیاں اپنا لیں۔ اپنی سیرت و کردار سورۃ المعارج (آیات ۱۹ تا ۳۵) اور سورۃ المؤمنون کی پہلی گیارہ آیات کے مطابق بنا لیں۔ سورۃ المؤمنون کی پہلی آیۂ مبارکہ میں فرمایا: ﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے اس کا ترجمہ کیا: ’’یقیناً کام نکال لے گئے ایمان لانے والے‘‘ جن کے بقیہ اوصاف بقیہ آیات میں بیان کیے گئے ہیں۔ ان اوصاف کے حامل لوگوں کی قیادت میں انقلاب کا بیڑا کنارے لگ سکتا ہے۔ امت کا بگاڑ انہی لوگوں کے ہاتھوں سنور سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے وفاداری کی اولین شرط نماز کا قیام ہے۔ ایسے لوگ یہ سمجھ سکتے ہیں کہ دنیا میں جو کچھ ہے‘ ان کے لیے ہے۔ اسے کس طرح کام میں لانا ہے اور انسانی نفع رسانی کے کون سے شعبے جاری کرنا ہیں تاکہ آخرت میں اللہ کے حضور امتحان میں جواب دیے جا سکیں۔

اس ضمن میں آپ کے ذہنوں میں شاید یہ سوال پیدا ہوا ہو کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہؓ نے اپنی سوچ و فکر کو ان کاموں کے لیے بالکل استعمال نہیں کیا۔ ٹھہریئے‘ ایسا بالکل نہیں ہے۔ ایمانِ سمعی کے ساتھ حواسِ خمسہ کی میسر دسترس نے انہیں عقل و شعور کی وہ سربلندی عطا کر دی تھی کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے سورۂ آل عمران میں خراجِ تحسین پیش کیا۔ انہی کا قول اللہ تعالیٰ نے نقل فرمایا ہے:

﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾﴾

’’اے ہمارے ربّ! تو نے یہ سب کچھ فضول و بے مقصد پیدا نہیں کیا‘ تیری ذات (فعل عبث کرنے سے) پاک ہے‘ ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچائیو۔‘‘

تخلیق بالحق اور عذاب النار کے درمیان جو رمز پوشیدہ ہے‘ وہ اس کو سمجھ چکے تھے۔ اور رمز یہ تھی کہ باری تعالیٰ یہ دنیا اور جو کچھ اس میں ہے‘ اس کی ذمہ داری تو نے ہم پر ڈال دی ہے۔ انسانی نفع رسانی کے لیے ان وسائل کا استعمال اور اس کی عادلانہ تقسیم کے کام کے لیے

عادلانہ نظام قائم کرنے کی ذمہ داری تو نے ہم پر ڈال دی ہے۔ تو ہمیں آزما رہا ہے۔ باری تعالیٰ! ہم کمزور ہیں‘ شاید اس آزمائش میں پورے نہ اُتر سکیں‘ ہمیں آگ کی سزا نہ دینا‘ ہم سے درگزر فرما! چنانچہ اوپر جو ارشادات نبویہ ﷺ ذکر کیے گئے ہیں‘ دنیا میں اس کے اعلیٰ ترین مصداق وہی لوگ تھے۔ اسی غور و فکر کے نتائج تھے کہ ہر بات پر الحمدللہ‘ سبحان اللہ ان کی زبان پر جاری تھا اور آخرت میں جواب دہی کے شدید احساس کے ساتھ دنیا میں اپنی ذمہ داریاں ادا کر رہے تھے۔ ایک یہ لوگ ہیں جو نفس کے پجاری ہیں‘ غور و فکر سے کام انہوں نے بھی لیا ہے۔ سائنس میں ترقی کرتے ہوئے لوہے کی طاقت کے ذریعے باطل نظریات کو دنیا پر مسلط کر رہے ہیں۔ حواسِ خمسہ کی دسترس جتنی زیادہ حاصل ہوئی ہے‘ ان کی سماعت‘ بصارت پر بھی اتنے ہی تالے لگے ہوئے ہیں۔ ان کے دل حقیقت سے محجوب ہوئے ہیں۔ جانتے بوجھتے آخرت کو بھول گئے ہیں۔ انہی کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۭ﴾ (الاعراف:۱۷۹)

’’اور یہ حقیقت ہے کہ ہم نے بہت سے جن و انس جہنم کے لیے ہی پیدا کیے ہیں۔ ان کے دل تو ہیں (مگر) ان سے سوچتے سمجھتے نہیں‘ ان کی آنکھیں ہیں (مگر) ان سے دیکھتے نہیں‘ ان کے کان ہیں (مگر) ان سے سنتے نہیں۔ وہ مثل چوپائیوں کے ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے ہیں۔‘‘

ہم اس آزمائش پر پورا اتر سکتے ہیں‘ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ﴾ (النسا ء:۱۰۴) ’’تم اللہ سے اس چیز کے امیدوار ہو جس کے وہ امیدوار نہیں ہیں۔‘‘ باطل نظام کے پجاریوں کے مقابلے میں ہمیں اللہ کی مدد کے وہ ذرائع میسر ہیں جن تک پہنچ ان کے خواب و خیال میں بھی نہیں ہے۔ وہ ذرائع قرآن مجید‘ احادیث نبویہ ﷺ‘ وحی‘ الہام اور رویائے صادقہ‘ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ‘ ایجادات کا دروازہ کھولنے کے یہ نادر ذرائع ہمیں میسر ہیں۔ سورۃ المائدۃ میں فرمایا:

﴿قَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ﴾ (آیت ۱۲)

''اللہ نے فرمایا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اگر تم نے نماز قائم رکھی' زکوٰۃ دیتے رہے' ہمارے پیغمبروں پر ایمان لاتے رہے اور ان کی مدد کرتے رہے' اور اللہ کو اچھا قرض دیتے رہے تو میں ضرور بالضرور تم سے تمہاری برائیاں دور کردوں گا اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔''

اس کی عملی صورت کا آغاز ایسے بھی ممکن ہے کہ دینی جماعتیں یا قوتیں' ذہین افراد کو اپنی سرپرستی میں لے لیں۔ آئے دن اخبارات میں منفرد اعلیٰ ذہنی صلاحیتوں کے مالک افراد کا ذکر آتا رہتا ہے۔ وسائل میں کمی کی وجہ سے وہ اپنے کاموں میں آگے نہیں بڑھ سکتے۔ غیر عادلانہ نظام ان کے راستے میں رکاوٹ بنتا ہے۔ ایسے افراد کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ آخر فلکیات بھی تو درسِ نظامی کا حصہ ہے۔ تحقیق کے دوسرے شعبے دینی تعلیم کا حصہ کیوں نہیں بن سکتے؟ یہ کام ان کے حوالے کیا جائے جو قرآن وسنت کو اپنی سیرت میں جذب کر چکے ہوں۔ آخر انسانی جِدّوجُہد کے نتیجے میں باطل آج غالب ہے اور اللہ کے ماننے والے نزولِ مسیح اور مہدی کے منتظر اپنے آپ کو باطل کے رحم وکرم پر چھوڑے ہوئے ہیں۔ وہ ہستیاں تو اپنے وقت پر اپنی کارگزاری دکھائیں گی' ہم نے بھی اپنی ذمہ داری کا جواب اللہ تعالیٰ کو دینا ہے یا نہیں؟ اس راستے سے انقلاب کی فکر ایک طوفان ہے' ایک تہلکہ ہے' اگر ہم عمل شروع کردیں تو.....

ساری بحث کے نتیجہ کے لیے سید مناظر احسن گیلانی صاحبؒ کی سورۃ الکہف کی تفسیر ''دجالی فتنہ کے نمایاں خدوخال'' کی چند سطور کا مطالعہ انتہائی مفید ہوگا:

''قوانین قدرت پر غیر معمولی اقتدار بجائے خود ایسی چیز نہیں ہے جو آدمی کو دجال بنا دے' بلکہ قرآنی تعلیم کی رو سے تو قدرت کے قوانین سے استفادہ نسل انسانی کے مقامِ خلافت کا عام اقتضا ہے۔ آدم علیہ السلام کو اسماء کا جو علم بخشا گیا تھا اس اجمالی علم کی یہ تفسیر ہے' ماسوائے اس کے کون نہیں جانتا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کو بھی اسی قسم کا غیر معمولی اقتدار بخشا گیا تھا۔ علوی اجرام یا سفلی اجسام کی تسخیر کی مثالوں سے ان کی زندگی معمور نظر آتی ہے۔ سمندر کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا سے پھٹ جانا' یا شق القمر کا معجزہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہے یا پھر قرآن میں ذکر کیا گیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اکمہ' وابرص کو چنگا بھی کرتے تھے بلکہ مُردوں کو بھی زندہ کرکے دکھاتے تھے۔ بہرحال پیغمبروں کی زندگی میں اس قسم کی چیزوں کی کیا کمی ہے مگر پیغمبروں کو یہی اقتدار جب بخشا گیا تو اپنے اس اقتدار سے جو کام وہ لیتے تھے' اس سے دنیا واقف ہے' یعنی اقتدار

بخشنے والے قادر وتوانا کے شکر سے ان کے قلوب بھی معمور ہوجاتے تھے اور دوسروں کو بھی اسی خدائے بخشایندہ مہربان کی طرف کھینچتے تھے' تسخیری مظاہر کو حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے سامنے پاکر فرمایا کرتے تھے:

﴿هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ ۖ لِيَبْلُوَنِيْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ۭ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ ۝﴾ (النمل)

''یہ میرے پروردگار کی مہربانی ہے' مجھے وہ جانچتا ہے کہ میں اس کا گن گاتا ہوں یعنی شکر کرتا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں۔ جو شکر کرتا ہے اپنے لیے کرتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے اسے معلوم ہو کہ میرے رب کی ذات سب سے بے پرواہ اور عظمت والی ہے۔''

لیکن اس کے بالکل برعکس جیسا کہ سب جانتے ہیں دجال اپنے اقتدار کے کرشموں کو اقتدار بخشنے والے خدا سے خود باغی بننے اور دوسروں کو خدا سے بیزار وباغی بننے میں استعمال کرے گا۔

بہرحال قدرتی قوانین پر غیر معمولی اقتدار کا غلط بلکہ قطعی معکوس استعمال یہی وہ 'دفتنہ' ہے جس میں المسیح الدجال خود بھی مبتلا ہوگا اور کوشش کرے گا کہ اس کی بھڑکائی ہوئی فتنے کی اس آگ میں دوسرے بھی جھونک دیے جائیں۔''

حواشی

(۱) صحیح مسلم' کتاب الجنة وصفة نعیمها واهلها' باب فناء الدنیا وبیان الخیر یوم القیامة۔

(۲) صحیح مسلم' کتاب الزهد والرقائق۔

(۳) صحیح مسلم' کتاب الذکر والدعاء والتوبة والاستغفار' باب فضل الاجتماع علی تلاوة القرآن وعلی الذکر۔

(٤) رواه البیهقی فی شعب الایمان۔

❁❁❁

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبویؐ آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور دعوت وتبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

اسلاموفوبیا: نیا مرض نہیں

حافظ محمد مشتاق ربّانی

اسلاموفوبیا اگرچہ جدید دور کی اصطلاح ہے' جو عام طور پر مغرب کے حوالے سے بیان کی جاتی ہے کہ وہ خود بھی اسلام سے خائف ہیں اور دوسروں کو بھی اسلام کے بارے میں خوف زدہ کرتے ہیں' تاہم قرآن حکیم کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ جیسے آج لوگ اسلاموفوبیا کا شکار ہیں اسی طرح آنحضور ﷺ سے قبل آنے والی اقوام بھی دین کے بارے میں خوف کے مرض میں مبتلا تھیں۔ اُس وقت بھی انہیں اسلاموفوبیا تھا' کیونکہ دین اسلام تو شروع سے چلا آ رہا ہے' سماوی دین ایک ہی رہا ہے۔ زمانوں کے اختلاف کی وجہ سے شریعتیں جدا جدا رہی ہیں' ان کی فروعات میں اختلاف رہا ہے' لیکن ہر دور کے اہل ایمان کو مسلمان نام سے ہی پکارا گیا: ﴿هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا﴾ (الحج:۸۷) ''اُسی نے تمہارا نام مسلم رکھا اس سے پہلے اور اس (قرآن) میں بھی (تمہارا نام مسلم) ہے''۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دور کتنا پرانا ہے لیکن ان کے لیے بھی ''حَنِيْفًا مُّسْلِمًا'' کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد نے بھی اپنے لیے ﴿وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ﴾ کہتے ہوئے مسلمان کا لفظ اختیار کیا۔ اس بارے میں یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ زبانیں مختلف ہو سکتی ہیں' لیکن ان زبانوں میں اہلِ ایمان کے لیے جو بھی لفظ اختیار کیا جاتا' اس کا مفہوم مسلم/مسلمین ہی ہوتا۔ مسلم/مسلمین انہی کو کہا جاتا ہے جو اسلام کی پیروی کریں' اسلام کو بطورِ دین اختیار کریں۔ سماوی دین میں یہ دستور رہا کہ پیروانِ شریعت موجود اور حاضر نبی پر ایمان لائیں۔ یہود کے لیے لازم تھا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائیں' لیکن وہ نہ لائے۔ اسی طرح نصاریٰ کے لیے لازم تھا کہ آنجناب ﷺ کی رسالت پر ایمان لائیں' لیکن اکثر نصاریٰ نے یہودیوں کے طرزِ عمل پر چلتے ہوئے آپ ﷺ پر ایمان لانے سے انکار کر دیا۔ آنحضور ﷺ پر ایمان لانے والوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ آپؐ سے پہلے آنے والے تمام انبیاء و رسل علیہم السلام پر بلا تفریق ایمان لائیں' کیونکہ نبوت و رسالت ایک سلسلہ ہے جس کی آخری منزل آنجناب ﷺ ہیں۔ ان تمام بزرگ

ہستیوں کے دین میں کوئی فرق نہیں رہا ہے۔ ہاں شریعت میں اختلاف ایک فطری ضرورت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۡ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾﴾ (آل عمران)

''کہو کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور جو کتاب ہم پر نازل ہوئی اور جو صحیفے ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اور اسحاقؑ اور یعقوبؑ اور ان کی اولاد پر اُترے اور جو کتابیں موسیٰؑ اور عیسیٰؑ اور دوسرے انبیاء کو پروردگار کی طرف سے ملیں سب پر ایمان لائے۔ ہم ان پیغمبروں میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور ہم اس (اللہ واحد) کے فرماں بردار ہیں۔ اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب ہوگا وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا' اور ایسا شخص آخرت میں نقصان اُٹھانے والوں میں ہوگا۔''

معلوم ہوا کہ اسلام ایک ابدی دین ہے۔ ہر دور میں اس کے چاہنے والے بھی پائے گئے اور اس سے خائف بھی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد میں اس امرأۃ (عورت) کا قصہ پڑھیں جس کا ذکر قرآن مجید میں مفصل آیا ہے تو پتا چلتا ہے کہ وہ بھی سلیمان علیہ السلام اور ان کے لشکر سے خوف زدہ ہو گئیں اور اس نے اپنے ملأ (حکومتی عہدیداروں) کو سلیمان علیہ السلام اور ان کے لشکر سے ڈرایا: ﴿قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۴﴾﴾ (النمل) ''اس نے کہا: بادشاہ لوگ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو درہم برہم اور اس کے معززین کو ذلیل کر کے چھوڑتے ہیں' اور یہی یہ لوگ بھی کریں گے''۔ بعض مفسّرین کرام ﴿وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ﴾ اللہ تعالیٰ کا قول بتاتے ہیں' حالانکہ sequence میں یہ اسی عورت کا قول محسوس ہوتا ہے۔ یہ خاتون حضرت سلیمان علیہ السلام کے خط سے پریشان ہو گئیں' جس میں فرمایا گیا: ﴿اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾﴾ (النمل) ''تم لوگ میرے مقابل میں سرکشی نہ کرو اور میرے پاس مطیع ہو کر حاضر ہو''۔ یہ نہایت دانش مند خاتون تھیں اور اس نے جلد بھانپ لیا کہ سلیمان علیہ السلام کا مقصد حقیقت میں سلطنت چھیننا نہیں' بلکہ وہ تو ایک پیغام دینا چاہتے ہیں کہ اللہ کی زمین پر شرک نہ ہو' کسی انسان کی حاکمیت نہ ہو' حقیقی حاکم اللہ کی ذات ہو'

انسان اس کے خلیفہ کا کردار ادا کرے۔ یہ بات اسے ایک حد تک سلیمان علیہ السلام کی طرف سے ارسال کردہ مکتوبِ گرامی میں تحریر ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ'' کے متن سے ہی سمجھ میں آ گئی تھی لیکن وہ مضطرب اور بے چین تھی۔ اسے اس بے چینی سے نکلنے کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی' لیکن جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کے بھیجے ہوئے تحائف واپس کر دیے کہ ہمیں ان تحائف کی ضرورت نہیں' ہمارے پاس اللہ کا دیا ہوا بہت کچھ ہے' اس دنیوی دولت کی تمہیں ضرورت ہوگی' ہمارا مقصد تو اعلاء کلمۃ اللہ ہے تو اس کے ذہن سے سارا خوف چھٹ گیا اور وہ مسلمان ہونے کے لیے تیار ہوگئی۔ اسے یہ سمجھ آ گئی کہ سلیمان علیہ السلام کا پیغامِ توحید اپنے عملی نفاذ کے لیے ریاست اور خطے کا محتاج ہے' جس کے لیے سلیمان علیہ السلام کوشش کر رہے ہیں تاکہ ایک بہتر نظامِ سیاست چل سکے' صرف زمین کا ٹکڑا چھیننا ان کا مقصد نہیں ہے۔ سلیمانؑ نے اس خاتون کا خوف دور کیا' کیونکہ وہ غلط فہمی کا شکار تھی۔ چنانچہ سلیمانؑ نے اس پر اصل حقیقت واضح کر دی۔

آج ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم بھی اسلام سے خائف دنیا پر آشکار کریں کہ اسلام کا اصل پیغام یہ ہے کہ دنیا سے ظلم و جور کا خاتمہ ہو اور لوگ اپنے جیسے انسانوں کی غلامی سے آزاد ہو جائیں' انہیں خوشحالی ملے' عورتوں کو تحفظ ملے۔ وہ حجاب یا نقاب میں زیادہ محفوظ ہیں۔ جلباب اور خمار ان کے وقار میں اضافہ کا باعث ہے۔ اسلام کی منشا ہے کہ معاشرے سے استحصال کا خاتمہ ہو' معاشرے میں عفو و درگزر کی فضا پروان چڑھے' اللہ کے بنائے ہوئے قوانین کی تنفیذ ہو' حدود اللہ کی پامالی نہ ہو۔ ایسا پیغام عام کرنے سے اسلام کے بارے میں منفی تاثر زائل ہوگا۔ یہ بات خوش آئند ہے کہ عالم اسلام کی بعض تحریکیں ایسا کر بھی رہی ہیں' لیکن اسلام کا یہ پیغام اعلیٰ سطح سے پہنچایا جائے تو اس کا اثر زیادہ ہوگا۔ وہ عورت تو مسلمان ہوگئی۔ اس نے کہا: ﴿وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (النمل) ''اور میں نے سلیمانؑ کے ساتھ اپنے آپ کو اللہ ربّ العالمین کے حوالہ کیا''۔ لیکن بعض لوگ بڑے ہٹ دھرم ہوتے ہیں۔ وہ لوگوں کو اسلام سے خائف کر کے اپنی حکومت و اقتدار قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ ان کا سیاسی کیریئر اسی میں ہوتا ہے کہ اسلام سے دوسروں کو بدظن کیا جائے' انہیں ڈرایا جائے کہ یہ دعوت دینے والے شخص کے اپنے ذاتی مفادات ہیں۔ فرعون نے بھی یہی حربہ استعمال کیا تھا۔ اس نے کہا تھا: ﴿اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ﴾ (المؤمن) ''میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ وہ تمہارے دین کو بدل نہ دے یا

ملک میں کوئی فساد پیدا کر دے''۔ ایک قراءت کے مطابق آیت میں وارد ''او' و'' بھی پڑھا گیا ہے۔ اس قراءت کے مطابق ترجمہ خود ہی ذہن نشین کر لیں۔ فرعون اس موقع پر دو پہلوؤں کے بارے میں خوفزدہ تھا۔ ایک یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے دین کو بدل دیں گے' دوسرا وہ زمین میں بگاڑ پیدا کر دیں گے۔

دین قانون اور ضابطۂ حیات کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ فرعون کو خوف تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کی تہذیب' کلچر' ثقافت اور تمدن کو بدل دیں گے۔ جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر اس کا قول نقل ہوا: ﴿وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى﴾ (طٰہٰ) ''اور تمہارے اعلیٰ نظام کو درہم برہم کر کے رکھ دیں''۔ فرعون کو یہ بھی اندیشہ تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام میری جگہ پر خود بادشاہ بننا چاہتے ہیں۔ ابن عطیہ نے سورۃ المؤمن کی آیت ۲۶ میں وارد لفظ ''الدِّيْن'' کا مفہوم ''السُّلطان'' بیان کیا ہے۔ بہرحال فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خائف و لرزاں تھا۔ وہ لوگوں کو حضرت موسیٰؑ کی دعوت کو فساد کا ذریعہ باور کراتا تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ اگر میری سلطنت کے لوگوں کو حضرت موسیٰؑ کی باتیں اپیل کر جاتی ہیں تو یہ اپنے حقوق کے لیے کھڑے ہو جائیں گے۔ غریب کو اپنے حقوق کا پتا چل جائے گا' نسل ہا نسل سے غلام بنی اسرائیل آزادی کا مطالبہ کریں گے۔ لہٰذا اس نے عوام الناس کو ورغلایا۔ لوگوں کو حضرت موسیٰؑ کے خلاف بھڑکایا کہ موسیٰؑ تو تمہارا دشمن ہے۔ وہ تمہاری خوبصورت تہذیب کو ختم کر کے ایک ایسی تہذیب لانا چاہتا ہے جس میں خوشی نام کی کوئی چیز نہ ہوگی۔ جس میں گھٹن ہوگی۔ اس میں لوگوں کو تفریح کے مواقع نہیں ملیں گے۔ انٹرٹینمنٹ کا خاتمہ ہو جائے گا۔ زندگی روکھی اور بے رنگ ہو جائے گی۔ وہ قوم فرعون کی چکنی چپڑی باتوں میں آ گئی: ﴿فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ﴾ (الزخرف) ''پس اُس نے اپنی قوم کو بیوقوف بنایا اور انھوں نے اس کی بات مان لی۔ بے شک یہ نافرمان قسم کے لوگ تھے''۔ وہ لوگ حضرت موسیٰ کی بات کو نہ سمجھ سکے' البتہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات نے کام کر دکھایا اور فرعون کے جادوگر حضرت موسیٰؑ پر ایمان لے آئے اور فرعون کو منہ کی کھانی پڑی۔ جادوگر فرعون کے سحر سے نکل گئے۔ وہ ان باتوں سے آزاد ہو گئے جس سے فرعون ان کو ڈرا رہا تھا۔ وہ سمجھ گئے کہ فرعون ایسے ہی ڈرانے والی باتیں پھیلا کر انہیں اپنے دام میں رکھنا چاہتا ہے۔

آنحضور ﷺ کے عہد میں بھی بعض لوگوں نے خوف کا اظہار کیا۔ ان کا کہنا تھا کہ آپؐ کے ساتھ چلنے سے ہمیں مکہ مکرمہ سے نکال دیا جائے گا۔ ارشاد ہے: ﴿وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى

مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا﴾(القصص:۵۷) ''اور وہ کہتے ہیں کہ اگر ہم تمہارے ساتھ ہو کر اس ہدایت کے پیرو بن جائیں تو ہم اپنے ملک سے اچک لیے جائیں گے''۔ یہ قول تو مشرکینِ مکہ کا نقل ہوا لیکن آج کل بعض مسلمان بھی خوف کا اظہار کرتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) اسلام میں وحشیانہ سزائیں ہیں۔ اسلام کی تنفیذ کی صورت میں معاشرے میں گھٹن کی فضا پیدا ہو گی۔ ہم دنیا سے کٹ جائیں گے۔ گویا ہم سے ایسی باتیں صادر ہوتی ہیں جس سے ہمارے ایمان پر بھی حرف آتا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اسلام کے بارے میں بتائیں کہ اس سے امن ہو گا' عزت ہو گی' پاکستان کی ترقی ہو گی' پاکستان کا دفاع ممکن ہو سکے گا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی مشرکین کا خوف بدلنے کے لیے اپنے انعامات کا ذکر کیا۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کو یہ کہہ کر ان کا خوف دور کیا کہ اس نے حرم کو تمہارے لیے جائے امن بنا دیا۔ یہاں ہر نوع کے پھل پہنچانے کا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے بندوبست کر دیا۔

اسلاموفوبیا کے حوالے سے جتنے بھی شواہد پیش کیے جاتے ہیں ان کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہو گا کہ جو لوگ اسلام سے ڈرے ہوئے ہوتے ہیں ان میں سے اکثر غلط فہمی کا شکار ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے سامنے اسلام کا صحیح تصور اُجاگر کیا جائے۔ بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو اسلام سے تخویف دلا کر اپنے مفادات کا تحفظ چاہتے ہیں۔

اسلاموفوبیا کا تدارک اس بات کا متقاضی نہیں ہے کہ جن باتوں سے لوگوں کو اسلام کے بارے میں خوف ہے انہیں پس پشت ڈال دیا جائے' جیسے جہاد کرنا' عورتوں کا سکارف لینا' وغیرہ۔ ان امور کو ہم کفار کی خاطر چھوڑ نہیں سکتے۔ ان کو پوری خود اعتمادی سے انجام دینا چاہیے۔ ہمیں ان کے خوف کی وجہ سے حق کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے' بلکہ ان کے خوف کو دور کرنا چاہیے' انہیں اُمید کا پیغام دینا چاہیے' ان کی باتیں سن کر حوصلے کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: ((اَنَا نَبِیُّ الرَّحْمَةِ)) ''میں سراپا رحمت نبی ہوں''۔ قرآن حکیم میں بھی یہ مضمون ان الفاظ میں بیان ہوا ہے: ﴿وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ﴾ (الانبیاء) ''اور مجھے نہیں بھیجا گیا مگر تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر''۔ لہٰذا دین اسلام کے رحمت کے پہلو کو ہمیں زیادہ اُجاگر کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں کفار کی خاطر دین کے کسی پہلو کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے' البتہ اس کی تشریح و توضیح کرتے ہوئے اس کے حسن و خوبی کو ضرور اُجاگر کرنا چاہیے' تاکہ لوگ اسلاموفوبیا سے باہر نکل سکیں۔

❁❁❁

اللہ اور خدا

سید محمد افتخار احمد

اللہ ربّ العزت، جس نے تمام کائنات کو پیدا فرمایا اور ہمیں اپنے خاص نبی ﷺ کی خاص امت بنایا، بطور مسلمان اللہ کو اللہ ہی پکارنا چاہیے جو اس کا اسمِ ذات ہے۔ اس لفظ کا کسی زبان میں ترجمہ نہیں ہوسکتا۔ فی زمانہ یہ لفظ پوری دنیا جانتی ہے، خواہ کسی کی زبان انگریزی، ہندی، فارسی، اردو، چینی، روسی یا جاپانی ہو۔ سب لوگ اللہ کے لفظ سے واقف ہیں۔ اور کچھ نہیں یہ تو سب جانتے ہیں کہ یہ مسلمانوں کے معبود کا عربی نام ہے۔ میں نے استفادۂ عام کے لیے جناب رشید اللہ یعقوب کی کتاب ''اللہ اور خدا'' کو اختصار سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ ''ص نمبر'' اس کتاب کے صفحہ کا نمبر ہے۔

خدا اوستانی زبان (۶۰۰۔۴۰۰ ق م۔ص ۲۵۱) کا لفظ ہے جو مجوسیوں کی زبان تھی۔ مجوسی آتش پرست قوم تھی جو اپنی بہنوں، بیٹیوں اور ماؤں سے بھی شادی کرلیا کرتے تھے (ص ۱۹۶)۔ اوستائی سے یہ لفظ پہلوی زبان (۴۰۰ ق م۔۷۰۰ء۔ص ۲۵۲) میں منتقل ہوا، جو زرتشتی ساسانیوں کی زبان تھی۔ ان کے مطابق خدا ایک نہیں بلکہ دو ہیں: اہرمن (اہورامزدا) برائی کا خدا اور یزداں، نیکی کا خدا۔ شاہنامہ فردوسی اور اس کے بعد جدید فارسی زبان (۱۰۰۰ء کے بعد تا حال۔ص ۲۵۲) میں شامل کیا گیا۔ خدا کا لفظ مجوسی عموماً اپنے معبود کے لیے بولتے تھے، مگر بادشاہ اور کسی بڑے آدمی کے لیے بھی بولا جاتا تھا۔ مثلاً گاؤں کے چوہدری یا نمبردار وغیرہ کے لیے (ص ۲۰)۔ گویا خدا ایک عیب دار نام اللہ بے عیب کے لیے استعمال ہوتا رہا ہے۔ ہندوستان میں مغلوں کی سرکاری زبان فارسی تھی، اس لیے مسلمان اللہ تعالیٰ کے لیے اسی لفظ خدا کو استعمال کرنے لگے۔ اس طرح یہ لفظ فارسی سے اردو میں منتقل ہوگیا۔ فارسی میں خدا کی جمع خدایان بھی موجود ہے۔ اردو زبان سلاطین دہلی (۱۲۰۶ء تا ۱۴۸۰ء) کے زمانہ میں معرضِ وجود میں آئی۔ حیدرآباد دکن میں اس کے قواعد وضوابط مرتب ہوئے اور مغل دور (۱۵۲۶ء تا ۱۸۵۷ء) میں مسلمانوں کی زبان کے طور پر استعمال ہونے لگی۔

اللہ عربی زبان کا لفظ ہے، جو ذاتِ باری تعالیٰ کے لیے بولا جاتا ہے۔ چونکہ یہ اسم ذات

ہے، اس لیے اس کا ترجمہ نہیں ہوسکتا (ص ۵۷) اور اس وحدہٗ لاشریک ذات کو کسی باطل معبود کے نام سے نہیں پکارا جاسکتا (ص ۱۱۱)۔ جمہور علماءؒ اسماءِ باری تعالیٰ کو توقیفی مانتے ہیں۔ سوائے چند ایک کے، جیسے تیرھویں صدی کے ابن العربیؒ اور علامہ محمود آلوسیؒ (ص ۵۹) جو اصطلاحی کہتے ہیں (ص ۲۳، ۲۵)۔ قرآن وحدیث اور عربی زبان کا لفظ دوسرے الفاظ سے افضل ہے (ص ۵۸)۔ علماء جو اللہ کو اسمِ جامد نہیں مشتق مانتے ہیں، وہ بھی لفظ اللہ کی افضلیت کے قائل ہیں (ص ۶۱)۔

نبی کریم ﷺ نے کسی نومسلم کو اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے پرانے معبودوں کے نام سے پکارنے کی اجازت نہیں دی بلکہ فرمایا ''بِسْمِ اللّٰهِ خَيْرِ الْاَسْمَاءِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ'' (مستدرک حاکم، کتاب الصلوٰۃ، حدیث ۹۸۰، بیہقی، السنن الکبریٰ، کتاب الصلوٰۃ، حدیث ۲۸۹۶، ص ۶۱)۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث: ''اللہ کے نام سے جو دنیا و آخرت میں سب ناموں سے اچھا نام ہے''۔ خلافتِ راشدہ کے زمانے جب کہ اسلام اسپین (یورپ) سے ماوراء النہر (ثمرقند و بخارا) تک پہنچ چکا تھا اور نومسلم عربی سے بالکل بے بہرہ تھے، تب بھی کسی کو پرانے معبودوں کے نام سے پکارنے کی اجازت نہیں تھی۔ تابعین، تبع تابعین اور ائمہ اربعہ کے زمانے میں بھی کسی نے اللہ کو کسی اور نام سے نہیں پکارا۔ چوتھی صدی ہجری تک مندرجہ بالا حدیث شریف پر عمل ہوتا رہا۔

اللہ تعالیٰ تو قرآن کریم میں ۲۶۹۹ مرتبہ خود کو اللہ کے نام سے جو اسم ذات کامل صفات ہے پکارے، اور اس کے رسول ﷺ یہی نام ساری زندگی لیتے رہیں اور مسلمانوں کو بھی کسی اور نام سے پکارنے کی اجازت نہ دیں (ص ۸۳) اور اپنے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث (ص ۷۲) بطور مشعل راہ چھوڑیں۔ یہاں تک کہ مجوسیٔ النسل حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو اہلِ بیت میں تو قبول فرمالیں مگر ان کو بطور مجوسی نومسلم اللہ تعالیٰ کے لیے خدا یا بطور عیسائی Theos یا Dues کہنے کی اجازت نہ دیں۔ خلافتِ راشدہ ۳۵ھ تک جب کہ اسلام اس وقت کی دنیا کے تین براعظم ایشیا، افریقہ اور یورپ (اسپین) تک پھیل گیا، کسریٰ کی ریاست مکمل طور پر اور قیصر کی آدھی ریاست اسلام کے دائرۂ اختیار میں آگئی، سینکڑوں مذاہب وعقائد کے ماننے والے اسلام میں داخل ہوگئے، فاتح مسلمانوں نے جس کا اعتراف غیر مسلم بھی کرتے ہیں ان تمام غیر مسلموں کو اپنے اپنے مذاہب کے مطابق اپنے معبودوں کی عبادت کی کھلی آزادی دی، مگر ان لوگوں کو جو اسلام لے آئے اللہ تعالیٰ کے لیے

اپنے پرانے معبودوں کے نام استعمال کرنے کی اجازت قطعی نہیں دی۔(ص ۸۴‘۸۵)

جب خلافت عباسیہ کمزور ہوگئی اور ساسانیوں‘ سامانیوں اور ترکوں کی گرفت مضبوط ہوگئی‘ تو کسریٰ ایران (ثنویت‘ اہرمن و یزداں کا قائل‘ ص ۲۷) جو ہمیشہ سے عربوں پر برتری کا ذہن رکھتا تھا‘ کی دبی ہوئی ایرانی قومیت نے‘ فارسی زبان کے احیاء اور مقامی حکومتوں کو مستحکم کرنے کے لیے عربوں اور عربی کو ایران و خراسان بدر کر دیا۔(آج بھی ایران میں ایرانی شیعہ اور عرب شیعہ کا درجہ برابر نہیں ہے۔) اُس وقت کے ساسانی نسل کے امراء اور حکومت کی شہ پر شاہنامہ (جس میں مجوسی بادشاہوں کی رزمیہ قصیدہ خوانی ہے) اول دقیقی نے لکھنا شروع کیا‘ اس کے قتل کے بعد اس کی تکمیل فردوسی نے کی۔ دونوں ساسانی النسل مجوسی تھے۔ انہوں نے شاہنامہ میں ایک لفظ بھی عربی کا استعمال نہیں کیا بلکہ اللہ کی جگہ خدا کا لفظ استعمال کیا (ص ۷۳۔۱۲۳)۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے جنگ قادسیہ سے قبل رستم کے نام خط لکھوایا۔ فردوسی کا بغض ملاحظہ ہو کہ اس نے یہ خط ''بسم اللہ'' کی جگہ ''بنامِ خدای'' کے الفاظ سے شروع کیا تھا (ص ۱۸)۔[فردوسی کے شاہنامہ کی وجہ سے عوام الناس نے اتنی غیرتِ ایمانی دکھائی کہ اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں ہونے دیا (ص ۷۶)] حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قاتل ابولولو فیروز کو خودکشی کے بعد جنت البقیع میں دفن کر دیا گیا تھا‘ مگر چند روز بعد کچھ ایرانیوں نے اُسے وہاں سے نکال کر کاشان‘ اصفہان‘ ایران میں دفن کیا۔ اس کی قبر پر ایک عالی شان مقبرہ تعمیر کیا گیا‘ جہاں ہزاروں ایرانی زائرین روزانہ فاتحہ پڑھتے ہیں۔ اس سے بڑی عرب دشمنی کی مثال اور کیا ہوسکتی ہے؟

دوسری طرف ہرقل قیصر روم (تثلیثی GOD کا قائل۔ص ۲۷) کے مفتوحہ علاقوں میں شام‘ عراق اور مصر ہزاروں سال پرانی تہذیب اور مختلف مذاہب کے پیروکار تھے۔ ان کی زبانیں بھی عربی سے مختلف تھیں‘ بلکہ یہ علاقے یہودیت اور عیسائیت کے منبع و مرکز رہے تھے‘ مگر جب انہوں نے اسلام قبول کیا تو سب کچھ چھوڑ کر اسلام‘ اس کی تہذیب اور عربی زبان بخوشی قبول کی۔ اور پھر اپنی پرانی تہذیب و زبان کے لیے کبھی کوشش نہیں کی (ص ۷۵) بلکہ مصر‘ لیبیا‘ الجزائر اور مراکش نے تو عرب قومیت پر فخر کرنا شروع کر دیا۔ میرا ذاتی تجربہ ہے کہ سعودی عرب میں ہر سطح پر سوڈانی لوگوں کو ہر کام میں ترجیح دی جاتی تھی‘ کیونکہ وہ عربی اور انگریزی روانی سے لکھ‘ پڑھ اور بول سکتے ہیں۔ محترم ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم و مغفور اکثر فرمایا

کرتے تھے کہ اگر مشرقی پاکستان کی زبان بنگالی اور مغربی پاکستان کی زبان اردو تسلیم کرتے ہوئے عربی کو دونوں حصوں کی سرکاری زبان کا درجہ دے دیا جاتا تو پاکستان میں زبان کا جھگڑا پیدا ہی نہ ہوتا۔ اسلام اور عربی دونوں حصوں کو متحد رکھنے میں بھی معاون ہوتے‘ کیونکہ یہ خطے اسلام اور صرف اسلام کی بنیاد پر ہی تو ہندوستان سے الگ ہوئے تھے۔

اسلام میں تمام ارکان کا بنیادی مأخذ قرآن و سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ قرآن کی تفسیر اور سنتِ رسولؐ ہم کو محدثینِ کے ذریعے پہنچیں۔ جیسے بخاری‘ مسلم‘ ترمذی‘ ابن ماجہ‘ دارمی‘ ابویعلیٰ‘ موصلی‘ ابن خزیمہ‘ نیشاپوری‘ ابن حیان‘ ابن مندہ‘ حاکم نیشاپوری‘ ابونعیم اصفہانی‘ بیہقی رحمہم اللہ وغیرہم (یہ صرف ان اصحاب کے نام ہیں جو خراسان اور ایران میں پیدا ہوئے اور وہیں وفات پائی)۔ ان سب کے آباء و اَجداد فارسی زرتشت تھے۔ انہوں نے بھی نہ تو کوئی ایسی حدیث لکھی‘ نہ خود ہی لکھا کہ اللہ تعالیٰ کو کوئی ایسا نام یا صفت دی جاسکتی ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں نہیں اور نہ ہی وہ کسی حدیث سے ثابت ہو۔

ایک مسلمان مفکّر ڈاکٹر انیس احمد نے ایک کتاب The Vision of Islam جس کا اردو ترجمہ ''اسلام اپنی نگاہ میں'' پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ اس کتاب میں یہ بات بار بار کہی گئی ہے کہ انگریزی میں ''اللہ'' کی اصطلاح مغربی ذہن کو پریشان کرتی ہے‘ جبکہ اللہ کی جگہ GOD کہنا زیادہ درست اور افضل ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ ہمیں اس سے فکری بنیاد پر اختلاف ہے۔ اگر ہندو ازم کو پڑھاتے ہوئے ایک امریکی غیر ہندو استاد ''براہما'' کو God نہیں کہتا بلکہ براہما ہی کہتا ہے اور یہودیت پڑھاتے ہوئے یہودیوں کے God کی جگہ Yahweh ہی کہتا ہے تو اسلام کے درس میں اللہ کیوں نہیں کہہ سکتا؟ اللہ اسمِ ذات ہونے اور خود قرآن کے تجویز کردہ اسمِ باری تعالیٰ ہونے کے ساتھ عدد اور جنس کی قید سے آزاد اور اللہ کی صمدیت کی علامت ہے‘ جبکہ GOD چاہے بڑے G سے ہو چاہے چھوٹے g سے‘ اس کی جمع اور تانیث یونانی مذہب ہو یا ہندو ازم دونوں میں پائی جاتی ہے۔(ص ۱۵۷۔۱۵۸)

صفحہ ۱۹۶ تا ۱۹۸ پر بیان کردہ احادیث اور حوالہ جات کی روشنی میں یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے لیے:

(۱) مجوسیوں کا شکار اور ذبیحہ حرام ہے۔

(۲) مجوسی عورتوں سے نکاح ناجائز و حرام ہے۔

(۳) مجوسی عورتوں اور مسلمان عورتوں کا ایک حمام میں غسل کرنا ناجائز ہے۔

(۴) مجوسی دایہ کی خدمات مکروہ ہیں۔

(۵) رسول اللہ ﷺ نے مجوسی مہینوں اور انسانوں کے نام کو مکروہ قرار دیا ہے۔

(۶) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس نے عید نوروز منائی اور مجوسی عبادت گاہ میں گیا وہ حشر کے روز ان کے ساتھ ہی اٹھایا جائے گا۔

اگر مجوسیوں کا یہ سب کچھ ناجائز' مکروہ اور حرام ہے تو مجوسیوں کے معبود ''خدا'' کا نام جو ثنویت کی علامت ہے ''اللہ وحدہٗ لاشریک'' کے لیے کیسے جائز ہوسکتا ہے؟

انگریز جب برصغیر میں آئے تو وہ اسلام اور مسلمانوں کے لیے Mohamednism اور Mohamedans کا نام سرکاری وغیر سرکاری طور پر استعمال کرتے تھے۔ ان کے جانے پر یہ نام بھی ختم ہو گئے' کیونکہ وہ نصرانی تھے۔ ہم نے اپنے نام Islam اور Muslims کا استعمال شروع کر دیا۔ اسی طرح افغانستان اور خراسان سے حاکم آئے (بدقسمتی سے وہ بظاہر مسلمان بھی تھے) تو اپنے ساتھ ''خدا'' کا لفظ لے آئے۔ چونکہ وہ قریباً ایک ہزار سال یہاں رہے اور فارسی زبان کے ساتھ اردو زبان کی ترویج بھی ہوئی اس لیے یہ نام یہاں بھی رائج ہوگیا۔ اور حاکم مسلمان ہونے کی وجہ سے اس نام کی درباری علماء نے کوئی مخالفت نہ کی اور علماءِ حق نے بھی خاموشی ہی میں عافیت سمجھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسی عظیم ہستی نہ چاہتے ہوئے بھی صرف اس لیے حجر اسود کا استلام اور طواف میں رمل کر رہی ہے کہ یہ نبی مکرم ﷺ کی سنت ہے اور سنت چھوڑنا انہیں پسند نہیں تھا' حالانکہ وہ جانتے تھے کہ حجر اسود ایک پتھر ہے اور رمل مشرکوں کو دکھانے کے لیے ایک عمل تھا جواب موجود نہیں تھے۔ (بخاری و مسلم) اور ایک ہم لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو اللہ تعالیٰ کہنے کی سنت پوری کرنا تو درکنار چند علماء کی رائے کو مان کر خدا اور گوڈ (God) کو جائز ماننے پر تلے بیٹھے ہیں۔ کیا یہی اتباع رسول ﷺ ہے؟ کیا یہی عشق و محبت رسول اللہ ﷺ ہے؟

میری تمام مسلمانوں بالخصوص اہلِ پاکستان سے گزارش ہے کہ اردو زبان ہو یا فارسی' لکھتے وقت خدا کی جگہ اللہ اور ''مشیتِ ایزدی'' کی جگہ ''مشیتِ الٰہی'' کے الفاظ تحریر کریں اور یہی الفاظ گفتگو میں بولیں تاکہ ہم پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوں۔ آمین!

❁❁❁

انجمن خدام القرآن (قرآن اکیڈمی) سندھ' کراچی

کے تحت

داعیٔ قرآن ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کے جاری کردہ

قرآن فہمی کورس پارٹ I اور II

میں داخلوں کا اعلان

جدید تعلیم یافتہ حضرات وخواتین کے لئے علومِ دینیہ کی تحصیل کا نادر موقع!

پارٹ I

- علم تجوید
- آسان عربی گرامر
- مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب
- ترجمۂ قرآن حکیم
- سیرت النبی ﷺ
- دورۂ ترجمۂ قرآن
- مطالعۂ حدیث
- عقیدہ وفقہ
- اسپیشل لیکچرز
- کلام اقبال

پارٹ II

- علم تفسیر
- علم حدیث
- علم فقہ
- اصولِ تفسیر
- اصول حدیث
- اصول فقہ
- عقیدہ
- عربی زبان وادب
- تحریکیات
- اضافی محاضرات

- پارٹ I اور پارٹ II دونوں ایک ایک سال کے دورانیے پر مبنی ہیں
- پارٹ I میں داخلے کے لئے انٹرمیڈیٹ یا مساوی سند درکار ہوگی
- آغاز: 3 ستمبر 2012ء
- پارٹ II میں داخلے کے لئے پارٹ I یا مساوی سند لازمی ہے
- خواتین کے لئے شریعت کے مطابق باپردہ اہتمام
- اہل طلبہ کے لئے مناسب اسکالرشپ
- شہر کے باہر سے آنے والے طلبہ کے لئے ہاسٹل اور میس کی عمدہ سہولت موجود ہے۔

نوٹ: واضح رہے کہ ہاسٹل/میس کی سہولت قرآن اکیڈمی یاسین آباد میں صرف حضرات کے لئے دستیاب ہے۔

اسی طرح فی الوقت پارٹ II کا کورس بھی صرف حضرات کے لئے یاسین آباد اکیڈمی میں منعقد کیا جارہا ہے۔

تعارفی نشست:
بروز اتوار 2/ستمبر 2012ء صبح 10:00 بجے تا نماز ظہر
بمقام: قرآن اکیڈمی ڈیفنس، مسجد جامع القرآن خیابان راحت فیز 6 درخشاں ڈیفنس، کراچی 23-021-35340022

مقاماتِ تدریس:
1. قرآن اکیڈمی ڈیفنس، مسجد جامع القرآن خیابان راحت فیز 6 درخشاں ڈیفنس، کراچی 23-021-35340022
2. قرآن اکیڈمی یاسین آباد، شارع قرآن اکیڈمی، بلاک 9، فیڈرل بی ایریا، کراچی 021-36806561
3. قرآن مرکز گلستان جوہر، مسجد باب القرآن، سالکین بسیرا، بلاک 14 کراچی 021-34255995

مزید تفصیلات، پراسپیکٹس اور داخلہ فارم ویب سائٹ سے حاصل کریں

www.QuranAcademy.com

قصّۂ آدمؑ وابلیس: منشورِ حیاتِ ارضی

سجاد مسعود قریشی

اگر ہم اپنے دل کے بند تالے کھول کر قرآن مجید میں حضرت آدم علیہ السلام کے قصے کا شعوری اور تجزیاتی مطالعہ کریں تو اللہ جل شانہ کی حکمت کے تمام تر خزانے طالبانِ حکمت کے لیے کھل جاتے ہیں۔ اس قصے میں احسن الخالقین کی تخلیقی عظمت اور قدرتوں کا ذکر ہے۔ اس کی شاہکار تخلیق انسان یعنی اشرف المخلوقات کا ذکر ہے۔ اس میں خالق کی بے پایاں صفاتِ حمیدہ ومقدسہ کا تذکرہ ہے۔ اس میں انسانی کردار اور کرداریت (behaviorism) کے سبھی پہلو مضمر ہیں۔

اس میں عرشِ معلیٰ اور عالم بالا کا تذکرہ ہے، جنت ودوزخ کا ذکر ہے، ملائکہ وجنّات مذکور ہیں، انسانی بشریت کے عناصر وترکیب کا تذکرہ ہے، انسان کے شرفِ علمیت واکرام کا تذکرہ ہے، اللہ احکم الحاکمین کے احکامات کا ذکر ہے، فرمانبرداری اور نافرمانی کا ذکر ہے، ندامت وتکبّر کا ذکر ہے، بشریت وروحانیت کا ذکر ہے، ربِّ ذوالجلال کی وحدت کا تذکرہ ہے، مخلوق کی کثرت مذکور ہے، مخلوق کی بنیادی اکائی کا تذکیر وتانیث پر مبنی ہونا مذکور ہے، حیاتِ کائنات کا عداوت وتضاد پر مبنی ہونا مذکور ہے، عداوت وتضاد سے ارتقاءِ حیات کا رواں دواں ہونا مذکور ہے۔ ملائکہ اور ان کے کارِ منصبی کا ذکر ہے، ملائکہ کی تسبیح وتحمید کے باوجود فسادی انسان کی ان پر فوقیت مذکور ہے، جنت اور اس سے متعلقہ حقائق کا ذکر ہے، جنت کا دارالجزاء اور دارالخلد ہونا مذکور ہے، زمین پر حضرت آدمؑ کے ذریعے خیر اور شیطان کے ذریعے شر کا متعارف ہونا مذکور ہے، زمین کی جغرافیائی خصوصیات اور قدرتی وسائل کا ذکر ہے، حیاتِ ارضی کا انسان کے لیے ایک آزمائش، عارضی اور فانی ہونا مذکور ہے۔

خداخوفی، توکّل، توبہ، شکرگزاری، صبر اور تقویٰ جیسے اوصافِ حمیدہ کا ذکر خیر بھی ہے۔ تکبّر، حسد، خودغرضی، لالچ، خودستائی، مایوسی، جھوٹ، استحصال اور فریب کاری جیسے مذموم اوصافِ شرور بھی ہیں۔ عبادت گزاری کی بدولت اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا قرب بھی ہے اور نافرمانی کی پاداش میں بُعد اور دوری بھی ہے۔ اس میں اعمال ہیں تو ان کے نتائج بھی ہیں، نتائج ہیں تو ان کے اثرات بھی ہیں، عمل ہے تو ردِعمل بھی ہے۔ جزا بھی ہے، سزا بھی ہے۔ کامیابی ہے تو ناکامی بھی

ہے، اخلاق ہے تو بداخلاقی بھی ہے، پند ونصائح ہیں تو مکروفریب کی چالیں بھی ہیں، بشارتیں بھی ہیں اور تنبیہات بھی ہیں، رحمت بھی ہے تو لعنت بھی ہے، خوشی وراحت ہے تو حزن واشکباری بھی ہے، تنقید واعتراض بھی ہے اور اعترافِ حق بھی ہے۔

عدم سے وجود میں لانے کا تذکرہ ہے، جیسا کہ تخلیق آدم، اور پھر وجود سے وجود کی تخلیق، جیسا کہ حضرت آدمؑ سے اماں حوا کی تخلیق۔ اسی طرح لامکاں کا تذکرہ بھی ہے اور مکاں کا بھی، لیل ونہار کی قید سے آزاد عالمِ بے زماں بھی ہے اور گردشِ ایام کا پابند عالم زماں بھی ہے، عالمِ لاہوت بھی ہے اور عالمِ ناسوت بھی۔ ہدایت خداوندی کا وعدہ بھی ہے اور شیطانی گمراہی کے سامان بھی۔ عبدیت بھی ہے اور نفس پرستی بھی ہے۔ شیطانی مشن کا تذکرہ بھی ہے اور شیطان لعین کا طریقۂ واردات بھی ہے، وغیرہ وغیرہ۔

الغرض آپ نے دیکھا کہ ایک پوری کائنات سمٹی ہوئی ہے قصۂ آدم وابلیس میں۔ اور کس طرح انسان اور شیطان کی عداوت میں رزمِ حق وباطل اپنی ارتقائی منزلیں طے کرتا ہوا عالمِ فانی سے عالمِ باقی کی طرف رواں دواں ہے۔ اسی عداوت کے کچھ پہلوؤں کو سید الشعراء علامہ محمد اقبال نے اپنی نظم ''جبریلؑ اور ابلیس'' میں اجاگر فرمایا ہے:

جبریلؑ: ہمدم دیرینہ! کیسا ہے جہانِ رنگ و بو
ابلیس: سوز و ساز و درد و داغ و جستجو و آرزو!
ابلیس: ہے مری جرأت سے مشتِ خاک میں ذوقِ نمو
میرے فتنے جامۂ عقل و خرد کا تار و پو
دیکھتا ہے تو فقط ساحل سے رزمِ خیر و شر
کون طوفاں کے طمانچے کھا رہا ہے؟ میں کہ تو
خضر بھی بے دست و پا الیاسؑ بھی بے دست و پا
میرے طوفاں یم بہ یم، دریا بہ دریا، جو بہ جو
گر کبھی خلوت میسر ہو تو پوچھ اللہ سے
قصۂ آدمؑ کو رنگیں کر گیا کس کا لہو!

قصۂ آدمؑ ابھی قرآن حکیم کا ایک مختصر سا حصہ ہے جس میں علوم کا ایک بحرِ بے کنار موجزن ہے اور عالمِ موجودات کی ہر شے مذکور ہے۔ اس لیے کہ قرآن **ذکر للعالمین** ہے۔

❁❁❁

مولانا وحید الدین خان

اپنے الفاظ کے آئینے میں (۶)

ڈاکٹر حافظ محمد زبیر

سابقہ قسط میں ہم نے مولانا وحید الدین خان صاحب کے تصورِ جہاد و اَمن کا ایک تجزیاتی مطالعہ پیش کیا تھا' جبکہ ذیل کی قسط میں ہم ختمِ نبوت اور توہینِ رسالت کے مسئلہ پر ان کے افکار کا ایک علمی جائزہ پیش کر رہے ہیں۔

ختمِ نبوّت کا مسئلہ

مولانا وحید الدین خان صاحب کا دعویٰ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی وفات کے بعد آج تک کسی نے بھی نبوت کا دعویٰ نہیں کیا ہے اور غیر پیغمبر کے لیے یہ ناممکن امر ہے کہ وہ نبوت کا دعویٰ کرے۔ رہے وہ لوگ کہ جن کی طرف دعوائے نبوت کی نسبت کی جاتی ہے تو اس کی حقیقت غلط فہمی سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ خان صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں:

''آپ [ﷺ] نے ساتویں صدی کے ربع اول میں یہ اعلان کیا کہ میں خاتم الانبیاء ہوں۔ اس کے بعد سے لے کر اب تک کوئی شخص نبی کا دعوے دار بن کر نہیں اٹھا۔ گویا کہ آپ کے الفاظ تاریخ کا ایک فیصلہ بن گئے۔'' (ماہنامہ الرسالہ' اکتوبر ۲۰۱۱ء' ص ۱۰۔۱۱)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

''یہ بات نہایت اہم ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کے بعد پورے تاریخی دور میں ساری دنیا میں کوئی بھی شخص ایسا پیدا نہیں ہوا جو اپنی زبان سے یہ دعویٰ کرے کہ میں خدا کا پیغمبر ہوں۔ اور جب کوئی شخص نبوت کا دعویٰ کرنے والا نہیں اٹھا تو پیغمبر اسلام کا یہ دعویٰ اپنے آپ ایک ثابت شدہ حقیقت بن گیا۔ آپ کے اس اعلان کے بعد تقریباً چودہ سو سال گزر چکے ہیں' لیکن ابھی تک کوئی بھی شخص ایسا نہیں اٹھا جو اپنی زبان سے یہ اعلان کرے کہ میں خدا کا پیغمبر ہوں۔'' (ایضاً' ص ۱۱۔۱۲)

خان صاحب کے بقول غیر پیغمبر کے لیے یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ نبوت کا دعویٰ کرے۔

ایک جگہ لکھتے ہیں:

''جس طرح خدا کے سوا کوئی اور شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں خدائے ربّ العالمین ہوں' اسی طرح کوئی شخص یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ میں خدا کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں۔ پیغمبری کا دعویٰ صرف کوئی سچا پیغمبر ہی کر سکتا ہے۔ کوئی غیر پیغمبر شخص دوسرے الفاظ بول سکتا ہے' لیکن وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں خداوند عالم کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں۔'' (ایضاً' ص ۱۴)

جن لوگوں نے اللہ کے رسول ﷺ کی وفات کے بعد نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا' جیسا کہ مسیلمہ کذّاب' اسود العنسی اور غلام احمد قادیانی وغیرہ تو خان صاحب ان سب کے دعووں کی تاویل کرتے ہیں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

''یہ بات نہایت اہم ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کے بعد پورے تاریخی دور میں ساری دنیا میں کوئی بھی شخص ایسا پیدا نہیں ہوا جو اپنی زبان سے یہ دعویٰ کرے کہ میں خدا کا پیغمبر ہوں..... اس سلسلے میں کچھ نام بتائے جاتے ہیں جن کے بارے میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ انہوں نے نبوت کا دعویٰ کیا' مگر یہ خیال درست نہیں۔'' (ایضاً' ص ۱۱۔۱۲)

ایک اور جگہ مسیلمہ کذاب کے دعوائے نبوت کی تاویل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مثلاً کہا جاتا ہے کہ آپ کے زمانے میں یمن کے مسیلمہ (وفات ۶۳۳ء) نے نبی ہونے کا دعویٰ کیا' لیکن کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے کسی مستقل نبوت کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔ اس نے صرف یہ کہا تھا کہ میں محمد کے ساتھ نبوت میں شریک کیا گیا ہوں۔'' (ایضاً' ص ۱۲)

ایک اور جگہ اسود العنسی کے دعوائے نبوت کی تاویل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اسی طرح آپ کے زمانے میں یمن میں ایک اور شخص پیدا ہوا' جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ یہ شخص اسود العنسی (وفات ۶۳۲ء) تھا۔ تاہم تاریخ کی کتابوں سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس نے خود اپنی زبان سے یہ کہا تھا کہ میں خدا کا پیغمبر ہوں۔ میرے مطالعے کے مطابق' اس کا کیس ارتداد اور بغاوت کا کیس تھا' نہ کہ دعوائے نبوت کا کیس۔'' (ایضاً)

ایک اور جگہ غلام احمد قادیانی کے دعوائے نبوت کا انکار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اسی طرح کہا جاتا ہے کہ موجودہ زمانے میں ایسے دو افراد پیدا ہوئے جنہوں نے اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کیا۔ بہاء اللہ خاں (وفات ۱۸۹۲ء) اور مرزا غلام احمد

قادیانی (وفات ۱۹۰۸ء)' مگر تاریخی ریکارڈ کے مطابق یہ بات درست نہیں۔ بہاء اللہ خاں نے صرف یہ کہا تھا کہ میں مظہر حق ہوں۔ انہوں نے کبھی یہ نہیں کہا کہ میں خدا کا پیغمبر ہوں۔ اسی طرح مرزا غلام احمد قادیانی نے کبھی اپنی زبان سے یہ نہیں کہا کہ میں خدا کا پیغمبر ہوں۔ انہوں نے صرف یہ کہا تھا کہ میں ظل نبی ہوں' یعنی نبی کا سایہ ہوں۔ اس طرح کے قول کو ایک قسم کی دیوانگی تو کہا جا سکتا ہے' لیکن اس کو دعوائے نبوت نہیں کہا جا سکتا۔'' (ایضاً' ص ۱۲۔۱۳)

جہاں تک خان صاحب کے اس نقطہ نظر کا معاملہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی وفات کے بعد کسی غیر پیغمبر کے لیے نبوت کا دعویٰ کرنا ممکن نہیں ہے' تو یہ ایک غلط موقف ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کی احادیث مبارکہ ہی اس دعویٰ کے بطلان کے لیے کافی ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

((وَلَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يُبْعَثَ دَجَّالُوْنَ كَذَّابُوْنَ قَرِيْبًا مِّنْ ثَلَاثِيْنَ' كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ)) (صحيح البخاری' كتاب المناقب' باب علامات النبوة فی الإسلام' دار طوق النجاة' ۲۰۰/٤)

''اور قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ تیس کے قریب دجّال اور کذّاب نہ پیدا ہوں۔ ان میں سے ہر ایک یہ سمجھتا ہوگا کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔''

اللہ کے رسول ﷺ یہ کہہ رہے ہیں کہ وہ دجال اپنے آپ کو اللہ کا رسول سمجھتے ہوں گے جبکہ خان صاحب کہتے ہیں کہ ایسا ممکن نہیں ہے۔ خان صاحب یہ جواب دے سکتے ہیں کہ یہاں روایت میں یہ تو نہیں ہے کہ وہ دجال یہ دعویٰ کریں گے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ 'زعم' کے لفظ میں دعویٰ کی نسبت زیادہ بلاغت ہے۔ دعوائے نبوت کو تو ثابت کرنے کی ضرورت ہوتی ہے جبکہ 'زعم' تو ثبوت کا بھی متقاضی نہیں ہے' لیکن اس کے باوجود ان دجالوں سے نبوت کے دعویٰ کا اثبات مستند روایات سے ثابت بھی ہے۔

جہاں تک مسیلمہ کذاب کے دعوائے نبوت کی صراحت کا معاملہ ہے تو اس کے لیے اتنا بیان ہی کافی ہے کہ مسیلمہ کذاب نے ۱۰ ہجری کے اواخر میں اللہ کے رسول ﷺ کو جو خط لکھا تھا اس کا آغاز ہی ان الفاظ سے ہوتا ہے:

"من مسيلمة رسول الله إلى محمد رسول الله ﷺ' أما بعد' فإني أشركت في الأمر معك' وإن لنا نصف الأرض ولقريش نصف الأرض." (مستخرج

أبي عوانة' كتاب الحدود' باب عدد غزوات النبی ﷺ' دار المعرفة' بيروت' الطبعة الأولى' ۱۹۹۸ء' ۳٦٥/٤)

''مسیلمہ اللہ کے رسول کی طرف سے محمد اللہ کے رسول ﷺ کی طرف' امابعد۔ مجھے آپ کے ساتھ حکومت میں شریک کیا گیا ہے۔ (آپ ﷺ کے بعد) نصف زمین پر ہماری حکومت ہوگی اور نصف پر قریش کی ہوگی۔''

خان صاحب نے اس کے حکومت وخلافت میں شراکت کے اس دعویٰ کی یہ تاویل کی کہ اس نے اللہ کے رسول ﷺ کی نبوت میں شراکت کا دعویٰ کیا تھا' جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اس نے اللہ کے رسول ﷺ کے نبوت کے متوازی (parallel) اپنی نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور اس دعوائے نبوت کی بنیاد پر امر یعنی حکومت میں بھی اللہ کی طرف سے آپ ﷺ کی شراکت کا دعویدار تھا۔

جہاں تک اسود العنسی کے دعوائے نبوت کا معاملہ ہے تو اس بارے میں کئی ایک مستند روایات میں منقول ہے کہ یمامہ سے تعلق رکھنے والے معروف تابعی ابو مسلم خولانی رحمہ اللہ سے اسود العنسی نے سوال کیا تھا:

"اتشهد اني رسول الله ؟ قال لا ' قال اتشهد ان محمدا رسول الله' قال نعم." (صحيح ابن حبان' باب الصحابة والمجالسة' ذكر إيجاب محبة الله للمتناصحين والمتباذلين فيه' مؤسسة الرسالة' بيروت' الطبعة الثانية' ۱۹۹۳ء' ۳۳۹/۲۔۳٤۰)

''کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں (اسود العنسی) اللہ کا رسول ہوں؟ تو انہوں نے کہا: نہیں۔ اس نے کہا: کیا تو گواہی دیتا ہے کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ تو اس نے کہا: ہاں!''

بعد میں اسود العنسی نے یہ مطالبہ نہ پورا کرنے پر حضرت مسلم خولانی رحمۃ اللہ علیہ کو آگ میں ڈال دیا لیکن اللہ نے انہیں بچا لیا۔ اس روایت کو علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے 'صحیح' کہا ہے۔ (ایضاً)

باقی رہا غلام احمد قادیانی کا دعوائے نبوت تو وہ بھی قطعی طور ثابت ہے۔ تفصیل کے لیے جناب متین خالد صاحب کی کتاب ''ثبوت حاضر ہیں'' اور مولانا منظور احمد چنیوٹی صاحب کی کتاب ''ردِّ قادیانیت کے زریں اصول'' کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ یہاں ہم صرف خان صاحب ہی کی اپنی ایک عبارت کے بیان پر اکتفا کریں گے۔ خان صاحب کی اس عبارت کے مطابق غلام احمد قادیانی نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ خان صاحب لکھتے ہیں:

''ٹھیک یہی معاملہ قادیانیت کا ہوا۔ ۱۸۸۹ء میں غلام احمد قادیانی نے اس کی تشکیل

کی۔ اس کے بعد اس نے دعویٰ کر دیا کہ وہ خدا کا پیغمبر ہے' مگر ۱۹۱۴ء میں اس کی وفات ہوگئی۔ اس کے بعد اس کے بیٹے مرزا بشیر الدین محمود کو جانشین بنایا گیا۔ بیٹے نے اعلان کر دیا کہ اس کا باپ پیغمبر نہیں تھا' وہ صرف ریفارمر تھا۔ یہاں موقع تھا کہ دوبارہ بیٹے کو استعمال کر کے قادیانی فتنہ کا خاتمہ کر دیا جائے' مگر عداوت کی نفسیات کی بنا پر یہاں کے مسلمان نہ اس راز کو سمجھ سکے اور نہ ہی اس کو استعمال کر سکے۔ چنانچہ یہ امکان بالکل غیر استعمال شدہ رہ گیا۔ یہاں تک کہ شور وغل کی سیاست نے قادیانی فتنہ کو وہاں پہنچا دیا جہاں آج آپ اس کو دیکھ رہے ہیں۔'' (ماہنامہ الرسالہ' اکتوبر ۱۹۹۶ء' ص ۳۸)

خان صاحب کی یہ عبارت ۱۹۹۶ء کی ہے اور اب اس کے ساتھ ذرا ۱۵ سال بعد کی عبارت کا موازنہ کریں تو عجیب وغریب حقائق ظاہر ہوں گے۔ خان صاحب لکھتے ہیں:

''اسی طرح کہا جاتا ہے کہ موجودہ زمانے میں ایسے دو افراد پیدا ہوئے' جنھوں نے اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کیا۔ بہاء اللہ خاں (وفات ۱۸۹۲ء) اور مرزا غلام احمد قادیانی (وفات ۱۹۰۸ء)' مگر تاریخی ریکارڈ کے مطابق' یہ بات درست نہیں۔ بہاء اللہ خاں نے صرف یہ کہا تھا کہ میں مظہر حق ہوں۔ انہوں نے کبھی یہ نہیں کہا کہ میں خدا کا پیغمبر ہوں۔ اسی طرح مرزا غلام احمد قادیانی نے کبھی اپنی زبان سے یہ نہیں کہا کہ میں خدا کا پیغمبر ہوں۔ انہوں نے صرف یہ کہا تھا کہ میں ظل نبی ہوں' یعنی نبی کا سایہ ہوں۔ اس طرح کے قول کو ایک قسم کی دیوانگی تو کہا جا سکتا ہے' لیکن اس کو دعوائے نبوت نہیں کہا جا سکتا۔'' (ماہنامہ الرسالہ' اکتوبر ۲۰۱۱ء' ص ۱۲-۱۳)

گویا ۱۹۹۶ء تک امر واقعہ یہ تھا کہ غلام احمد قادیانی نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا لیکن ۲۰۱۱ء میں امر واقعہ یہ بن گیا کہ غلام احمد قادیانی نے کسی قسم کا نبوت کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔ ۱۹۹۶ء کے بیان کے مطابق غلام احمد قادیانی کی وفات ۱۹۱۴ء میں ہوئی جبکہ ۲۰۱۱ء کے بیان کے مطابق اس کی وفات ۱۹۰۸ء میں ہوئی۔ اسی طرح خان صاحب کا یہ کہنا کہ غلام احمد قادیانی کے بعد اس کے بیٹے بشیر الدین محمود کو جانشین بنایا گیا' بھی محل نظر ہے۔ امر واقعہ کے مطابق غلام احمد قادیانی کی وفات کے بعد حکیم نور الدین بھیروی کو اس کا خلیفہ بنایا گیا۔ اس طرح خان صاحب کا یہ دعویٰ بھی امر واقعہ کے خلاف ہے کہ غلام احمد قادیانی کے بیٹے بشیر الدین محمود نے اسے پیغمبر ماننے سے انکار کر دیا اور اسے محض ایک ریفارمر قرار دیا۔ خان صاحب کی مذکورہ بالا عبارتوں سے اس قسم کے حساس موضوعات پر ان کی اپنی ہی عبارتوں کی روشنی میں ان کے مبلغ

علمی کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ اسی قسم کے تضادات اور سطحی معلومات خان صاحب کے ہاں دیگر کئی ایک مسائل میں بھی پائے جاتے ہیں' جنہیں ہم ان شاء اللہ خان صاحب پر لکھی جانے والی اپنی مستقل تصنیف میں تفصیل سے بیان کریں گے۔

خان صاحب کا منہج ان فرق باطلہ کا سا ہے جو پہلے ایک فلسفہ یا تصور یا فکر وضع کر لیتے ہیں اور پھر اس کے مطابق نصوص اور تاریخ کو ڈھالنے کی ہر ممکن اور سطحی کوشش کرتے ہیں۔ خان صاحب کا یہ فلسفہ کہ کسی غیر پیغمبر کے لیے نبوت کا دعویٰ کرنا ممکن نہیں ہے' درست نہیں ہے۔ صحیح تصور یہ ہے کہ غیر پیغمبر کے لیے نبوت کا دعویٰ کرنا ممکن ہے اور ایسا ہوا بھی ہے' لیکن اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ وہ ایسے ہر دعویدار کو جھوٹا ثابت کر کے رہتے ہیں تاکہ نبوت ورسالت کی حفاظت رہے۔ پس یہ تو ممکن ہے کہ ایک غیر پیغمبر نبوت کا دعویٰ کرے لیکن یہ ممکن نہیں ہے کہ ایک غیر پیغمبر نبوت کا دعویٰ کرنے کے بعد بھی دنیا کے سامنے جھوٹا ثابت نہ ہو۔

خان صاحب قادیانیوں کو کافر قرار نہیں دیتے ہیں۔ ایک جگہ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

''سوال: الرسالہ مئی ۲۰۰۶ء میں ایک سوال کے جواب میں آپ نے لکھا تھا کہ کسی ایسے شخص کو کافر نہیں کہیں گے جو قبلے کی طرف رخ کر کے نماز پڑھے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آج کی تاریخ میں جن لوگوں کو قادیانی یا احمدی کہا جاتا ہے ان لوگوں کو کافر کس بنا پر کہا جاتا ہے' جبکہ وہ لوگ بھی قبلے کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ (شبیر احمد وانی' سری نگر' کشمیر)

جواب: کون کافر ہے اور کون کافر نہیں ہے' یہ فیصلہ کرنا خدا کا کام ہے' انسان کا کام نہیں۔ موجودہ زمانے میں تکفیر کا جو طریقہ رائج ہوا ہے' میں اس کو غلط سمجھتا ہوں۔ اہل ایمان کی ذمے داری صرف تبلیغ ہے' تکفیر ان کی ذمے داری نہیں۔'' (ماہنامہ الرسالہ' جون ۲۰۰۷ء' ص ۴۰)

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تکفیر کی عوامی تحریکوں کی مذمت کرنی چاہیے اور یہ کوئی تعمیری کام نہیں ہے' لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ جس کا کفر قطعی ہو اور اس کے کفر پر امت کے جمیع مکاتب فکر کا اتفاق بھی ہو تو اسے بھی دین اسلام سے خارج نہ کیا جائے۔ اہلیت' شرائط اور موانع کی روشنی میں تکفیرِ دینِ اسلام کی حدود کے دفاع کے لیے ایک ضرورت ہے نہ کہ کوئی مستقل دینی حکم۔ اگر یہ امر پیش نظر رہے تو اس قاعدہ کلیہ کے غلط استعمال کو بہت حد تک کنٹرول کیا جا سکتا ہے۔

خان صاحب کے تصورِ ختمِ نبوت کے ذیل میں ہم ان کے تصورِ رسالت کے حوالہ سے بعض دیگر باطل افکار کی نشاندہی کرنا بھی ضروری سمجھتے ہیں۔ مولانا مودودی رحمہ اللہ کے ردعمل میں خان صاحب کا اقامتِ دین، نفاذِ شریعت، جہاد اور امن وغیرہ کے حوالہ سے جو دین کا ایک خاص تصور قائم ہوا ہے، اس کے مطابق ان کا کہنا یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے اسوہ میں چونکہ دعوت کے علاوہ جہاد وقتال بھی ہے لہٰذا یہ اسوہ ہمارے لیے کامل نمونہ نہیں ہے کیونکہ آج کے دور میں جہاد وقتال ممکن نہیں رہا۔ آج کے دور میں امت مسلمہ کے لیے حضرت مسیح علیہ السلام کا اسوہ قابلِ عمل اور نمونہ ہے جو صرف دعوت وتبلیغ کے عمل پر مبنی تھا۔ خان صاحب سورۃ الصّف کی آیت ۶ کی تشریح وتوضیح میں لکھتے ہیں:

''اس کا مطلب یہ ہے کہ آئندہ تاریخ میں ایسی تبدیلیاں واقع ہوں گی کہ محمدی ماڈل زمانی حالات کی نسبت سے، جزئی طور پر، قابلِ انطباق (applicable) نہ رہے گا، اس کی بجائے مسیحی ماڈل، جزئی طور پر، قابلِ انطباق بن جائے گا۔ محمدی ماڈل کیا ہے۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے ۶۱۰ عیسوی میں مکہ میں اپنے پیغمبرانہ مشن کا آغاز کیا۔ آپ کا مشن دوسرے پیغمبروں کی طرح توحید کا مشن تھا۔ نظریاتی اعتبار سے آپ کے مشن اور دوسرے پیغمبروں کے مشن میں کوئی فرق نہ تھا، لیکن زمانی حالات کے اعتبار سے اس کا ایک خاص ماڈل بنا۔ اس ماڈل کی ترتیب یہ تھی: دعوت، ہجرت، جہاد (بمعنی قتال) اور فتح۔'' (ماہنامہ الرسالہ، جون ۲۰۰۷ء، ص ۳)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

''اس کے مقابلے میں مسیح کے ماڈل میں آغاز میں بھی دعوت ہے اور انجام میں بھی دعوت۔ مسیح کے دعوتی ماڈل میں ہجرت اور جہاد (بمعنی قتال) کے واقعات موجود نہیں۔ محمدی ماڈل میں ہجرت اور جنگ اس کے واضح اجزا کے طور پر شامل ہیں، لیکن اب حالات نے ہجرت اور جنگ کو نا قابل عمل بنا دیا ہے۔'' (ایضاً، ص ۵-۶)

ایک اور جگہ خان صاحب لکھتے ہیں:

''یہی معاملہ پیغمبر اسلام ﷺ کا بھی ہے۔ آپ بلاشبہ آخری پیغمبر تھے۔ لیکن آپ ہر صورتِ حال کے لیے آخری نمونہ نہ تھے۔ چنانچہ قرآن میں آپ کے لیے 'اسوۂ حسنہ' کا لفظ آیا ہے، نہ کہ اسوۂ کاملہ کا۔ (الاحزاب: ۲۱) کسی پیغمبر کو فائنل ماڈل سمجھنا خدا کے قائم کردہ قانونِ فطرت کی تنسیخ کے ہم معنی ہے۔ ایسی تنسیخ ممکن نہیں، اس لیے عملی اعتبار سے کسی پیغمبر کا فائنل ماڈل ہونا بھی ممکن نہیں۔ فائنل پرافٹ کا تعلق دین کے نظریاتی

حصے سے ہے اور نظریاتی اعتبار سے بلاشبہہ ایک پیغمبر فائنل ہو سکتا ہے، لیکن ماڈل کا تعلق خارجی حالات سے ہے۔ یہ حالات ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں، اس لیے عملی اعتبار سے کوئی ایک پیغمبر فائنل ماڈل نہیں بن سکتا۔'' (ایضاً، ص ۴-۵)

قرآن مجید کی آیت ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ﴾ کی تشریح میں لکھتے ہیں:

''قرآن کی اصطلاح کے مطابق، یہ کہنا صحیح ہوگا کہ پیغمبر اسلام ﷺ 'الدین' کے اعتبار سے فائنل پیغمبر تھے، لیکن 'منہاج' کے اعتبار سے آپ فائنل ماڈل نہ تھے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ حدیث میں یہ پیشین گوئی کی گئی ہے کہ آخری زمانے میں مسیح دوبارہ نازل ہوں گے۔ جیسا کہ معلوم ہے، پیغمبر آخر الزمان کا زمانہ نبوت قیامت تک ہے، اس لیے اب آپ کے بعد کسی اور پیغمبر کا شخصی طور پر آنا ناقابل فہم بات ہے۔ اس لیے ان روایات کو درست مانتے ہوئے ان کی صحیح تاویل یہ ہے کہ بعد کے زمانے میں جو چیز واقع ہوگی، وہ مسیح کی آمد ثانی نہیں ہے، بلکہ مسیح کے ماڈل کی آمد ثانی ہے۔ یعنی بعد کے زمانے میں حالات کے اندر ایسی تبدیلیاں واقع ہوں گی کہ حالات کے اعتبار سے حضرت مسیح کا عملی ماڈل زیادہ قابل انطباق (applicable) بن جائے گا۔'' (ایضاً، ص ۵)

خان صاحب کی غلط فہمی یہ ہے کہ وہ 'منہاج' کو دین سے باہر کی چیز سمجھتے ہیں، حالانکہ 'شریعت' کی طرح 'منہاج' بھی دین ہی کا ایک جزء ہے۔ 'شریعت' اور 'منہاج' مل کر دین بنتے ہیں۔ یہی وجہ ہے قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا﴾ (المائدۃ: ۴۸)

''اور ہم نے ہر قوم کے لیے ایک شریعت اور ایک منہاج مقرر کیا ہے۔''

اس آیت مبارکہ کے مطابق ہر قوم کے لیے الگ الگ شریعت اور منہاج مقرر کیا گیا تھا جو اس بات کی دلیل ہے کہ جس طرح شریعتِ محمدی اور شریعتِ عیسوی میں فرق ہے، اسی طرح منہاجِ محمدی اور منہاجِ عیسوی میں بھی فرق ہے۔ اور اُمتِ مسلمہ کی شریعت، شریعتِ محمدی اور منہاج، منہاجِ محمدی ہے۔ آیت مبارکہ ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ (المائدۃ: ۳) میں دین اسلام سے مراد شریعت اور منہاج دونوں ہیں۔ باقی خان صاحب کی یہ بات درست معلوم ہوتی ہے کہ 'منہاج' میں حالات کے ساتھ ساتھ تبدیلیاں ہو سکتی ہیں۔

اللہ کے رسول ﷺ کی شریعت جس طرح اس معنی میں جامع وکامل ہے کہ اس میں

قیامت تک کے حالات وواقعات کی رعایت رکھی گئی ہے' اسی معنی میں اللہ کے رسول ﷺ کا منہاج بھی جامع وکامل ہے۔ آپ کے منہاج میں دعوت وتبلیغ بھی ہے اور جہاد وقتال بھی۔ صبر ومصابرت بھی ہے اور انتصار ومناصرت بھی۔ اور ہم سابقہ قسط میں یہ واضح کر چکے ہیں کہ اللہ کے اس آخری دین' دین اسلام میں یہ دونوں مناہج تا قیامت برقرار ہیں اور حالات وواقعات کی رعایت رکھتے ہوئے ان میں سے کسی بھی منہج کو اختیار کیا جا سکتا ہے۔ پس آپ ﷺ اُمت کے لیے دین' شریعت اور منہاج ہر پہلو سے اسوۂ حسنہ اور اسوۂ کاملہ ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں صرف دعوت اس لیے نظر آتی ہے کہ انہیں اللہ کے رسول ﷺ کی طرح جاں نثار صحابہ کی ایک جماعت میسر نہ آئی۔ جبکہ ان سے بہت پہلے اسی قوم پر کہ جس کی طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبعوث کیے گئے تھے' حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ہی جہاد کرنے کا حکم نازل ہو چکا تھا۔ (المائدۃ: ۲۱۔۲۶) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اگر اللہ کے رسول ﷺ کی مدنی زندگی جیسے حالات میسر آتے تو ان کے منہاج میں بھی ضرور جہاد وقتال شامل ہوتا جیسا کہ اس سے پہلے بنی اسرائیل نے اپنے انبیاء کے ساتھ مل کر جہاد وقتال کیا۔ اس بات کو ہم یوں بھی بیان کر سکتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو چونکہ اللہ کے رسول ﷺ کی مکی زندگی جیسے حالات میسّر آئے تھے لہٰذا ان کا منہاج مکی دور کے منہاجِ محمدی کے مماثل ہے۔

توہینِ رسالت کا مسئلہ

ختمِ نبوت کی طرح شتمِ رسول کے مسئلہ میں بھی خان صاحب عجیب وغریب افکار و تصورات کے حامل ہیں۔ ہندوستانی قلم کار سلمان رشدی لعنہ اللہ نے جب' معاذ اللہ' اللہ کے رسول ﷺ' ازواج مطہرات اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو اپنے ایک ناول میں گالیاں دیں اور قرآنی آیات کو نعوذ باللہ شیطانی آیات قرار دیا تو اس کی اس کتاب کے بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے خان صاحب لکھتے ہیں:

> ''سلمان رشدی کی کتاب (شیطانی آیات) میں نے خود پڑھی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ ایک انتہائی لغو کتاب ہے۔ اس کتاب کی لغویت کے بارہ میں میری وہی رائے ہے جو دوسروں کی رائے ہے۔ مگر اس کتاب کے بارہ میں مسلمانوں کا ردعمل کیا ہونا چاہیے' اس سلسلہ میں میری رائے ان لوگوں سے مختلف ہے جو یہ نعرہ لگا رہے ہیں کہ رشدی کو قتل کر کے اسے جہنم رسید کرو۔'' (وحید الدین خان مولانا' شتم رسول کا مسئلہ' نیو دلی' انڈیا' طبع دوم' ۲۰۰۷ء' ص ۵۰)

خان صاحب نے سلمان رشدی کی کتاب سے کیا پڑھا اور کیا سمجھا' اس بارے میں لکھتے ہیں:

> ''سلمان رشدی نے اپنی کتاب میں رسول اللہ ﷺ کے لیے ایک توہین آمیز نام محاوند (Mahound) کا استعمال کیا ہے۔ یہ نام بلاشبہ اشتعال انگیز حد تک لغو ہے۔'' (ایضاً' ص ۳۵۔۳۶)

اس کے بعد خان صاحب نے اس لفظ کی جو وضاحت کی ہے وہ اس قدر دل آزار ہے کہ ہم اسے نقل کرنا بھی مناسب نہیں سمجھتے۔ لیکن اس کے باوجود خان صاحب سلمان رشدی کے اس جرم کی نوعیت کی شناعت وشدت کو نارمل بنانے کی کوشش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''پیغمبر اسلام کے لیے یہ بے ہودہ نام سلمان رشدی کی ذاتی ایجاد نہیں ہے۔ یہ کروسیڈس (۱۲۷۱۔۱۰۹۶ء) کے بعد یورپ میں گھڑا گیا..... مگر پچھلے سات سو سال کے اندر اس گستاخی کی بنیاد پر کسی کو بھی قتل کی سزا نہیں دی گئی اور نہ اس قسم کا فتویٰ جاری کیا گیا۔'' (شتم رسول کا مسئلہ' ص ۳۶)

ایک اور جگہ اللہ کے رسول ﷺ کو گالی دینے والوں کے جرم کو ایک عام جرم قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''سلمان رشدی نے جس کہانی کی بنیاد پر اپنی کتاب کا نام شیطانی آیات رکھا ہے' وہ کہانی سب سے پہلے ۵ نبوی میں مکہ میں وضع کی گئی۔ مگر رسول اللہ ﷺ نے ان واضعین کو قتل نہیں کرایا۔ سلمان رشدی نے پیغمبر اسلام کے لیے جو گستاخانہ نام ''محاونڈ'' استعمال کیا ہے' وہ صلیبی جنگوں کے بعد کے دور یورپ میں وضع کیا گیا۔ مگر اس وقت کے علماء اسلام نے یہ فتویٰ نہیں دیا کہ جن لوگوں نے یہ گستاخانہ نام وضع کیا ہے' انہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کر دیا جائے۔ ازواج مطہرات کے خلاف جو بے ہودہ باتیں سلمان رشدی نے لکھی ہیں' اس کا مصنف اول مدینہ کا عبداللہ بن ابی تھا۔ مگر پیغمبر اسلام نے اصرار کے باوجود اس کو قتل کرنے سے منع کر دیا۔'' (ایضاً' ص ۳۶)

خود خان صاحب کے بقول سلمان رشدی کی کتاب کا انہوں نے مطالعہ کیا ہے اور اس نے اللہ کے رسول ﷺ' ازواجِ مطہرات اور قرآن مجید کے بارے میں اپنی کتاب میں انتہائی لغو' گھٹیا اور غلیظ باتیں لکھی ہیں اور اب اگر اس پر مسلمان اپنے غم وغصے کا اظہار کریں تو خان صاحب لکھتے ہیں:

> ''اینٹی رشدی ایجی ٹیشن بلاشبہ لغویت کی حد تک غیر اسلامی تھا۔'' (ایضاً' ص ۶)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

''اب اگر مسلمان یہ کہتے ہیں کہ سلمان رشدی کی کتاب سے ہمارے جذبات مجروح ہوئے ہیں' اور ہم تو اس کو قتل کر کے رہیں گے' تو میں کہوں گا کہ مسلمانوں کے جذبات کا مجروح ہونا اسلام کے قانونِ جرائم کی کوئی دفعہ نہیں ہے۔ مسلمان اگر اس قسم کی کارروائی کرنا چاہتے ہیں تو وہ اس کو اپنی قومی سرکشی کے نام پر کر سکتے ہیں' مگر اسلام کے نام پر انہیں ایسا کرنے کا کوئی حق نہیں۔'' (ایضاً' ص ۵۳)

خان صاحب توہین رسالت کے مسئلے پر مسلمانوں کے احتجاج یا غم و غصے کے اظہار کو الٹا 'توہین رسالت' گردانتے ہیں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

''ڈنمارک کے ایک مقامی اخبار میں چھپنے والے کارٹون کو مسلمانوں نے جس طرح توہین رسالت کا مسئلہ بنایا اور اس پر شدید ہنگامے کیے' اس کا کوئی بھی تعلق' اسلام سے نہ تھا۔ مذکورہ کارٹون کی حیثیت تو صرف ایک صحافتی جوک (joke) کی تھی۔ اس قسم کا جوک موجودہ صحافت میں عام ہے۔ **لیکن مسلمانوں نے اس کے ردعمل میں جس طرح نفرت اور تشدد کا مظاہرہ کیا' وہ بلاشبہ توہین رسول کا ایک فعل تھا**..... پیغمبر اسلام کی تعلیمات میں سے ایک تعلیم یہ ہے کہ ہر اس اقدام سے بچو جس سے اسلام کی امیج خراب ہوتی ہو۔ موجودہ زمانہ آزادیٔ اظہارِ رائے (freedom of expression) کا زمانہ ہے۔ **ایسے زمانے میں کارٹون جیسے مسئلہ پر ہنگامہ کھڑا کرنا' یقینی طور پر یہ تاثر پیدا کرے گا کہ اسلام آزادیٔ اظہارِ رائے کے خلاف ہے۔** اگر مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوتے ہوں' تب بھی انہیں کامل اعراض سے کام لینا چاہیے۔ جذبات کا مجروح ہونا' ان کے لیے اس معاملے میں کوئی عذر نہیں بن سکتا۔'' (ماہنامہ الرسالہ' ستمبر ۲۰۱۱ء' ص ۴۴)

خان صاحب ایسے شاتمین رسول کا جواب نہ دینے کی حکمت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''کتا اگر ہاتھی کے اوپر بھونکے تو ہاتھی کو اس کی ضرورت نہیں کہ وہ کتے کی بھونک کی تردید کرے۔ ہاتھی اپنے باعظمت وجود کے ساتھ اپنے آپ کتے کی بھونک کی تردید ہے۔'' (شتم رسول کا مسئلہ' ص ۴۰)

راقم نے خان صاحب کی کتاب ''شتم رسول کا مسئلہ: قرآن وحدیث اور فقہ وتاریخ کی روشنی میں'' کا مطالعہ کیا ہے۔ اس کتاب کے غلط نتائج کا بنیادی سبب یہ ہے کہ خان صاحب نے اپنی اس کتاب میں قرآن وسنت اور فقہ وتاریخ کو اصول 'منہاج' کی روشنی میں نہیں دیکھا بلکہ صرف 'شریعت' کے پہلو سے دیکھنے کی کوشش کی ہے جبکہ وہ بھی ناقص ہے۔ بعض خاص حالات میں بعض مخصوص افراد کے حوالہ سے جو یہ سزا جاری نہیں کی گئی ہے تو اس میں کچھ موانع

اور مصالح پیش نظر تھیں۔ علاوہ ازیں وہاں جرم کی نوعیت بھی اس قدر واضح' متعین اور مستقل نہیں تھی کہ جیسی ان مقامات میں تھی کہ جہاں یہ سزا جاری ہوئی ہے۔ بہت سی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی زندگی میں شاتم رسول کو قتل کی سزا دی گئی۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک نابینا صحابی کی ایک لونڈی تھی جو اللہ کے رسول ﷺ کو برا بھلا کہتی تھی۔ ایک دن ان سے برداشت نہ ہوا تو انہوں نے اس لونڈی کو قتل کر دیا اور اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے پیش ہو گئے۔ روایت کے الفاظ ہیں:

فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ' اَنَا صَاحِبُهَا ' كَانَتْ تَشْتُمُكَ وَتَقَعُ فِيْكَ فَاَنْهَاهَا فَلَا تَنْتَهِيْ' وَاَزْجُرُهَا' فَلَا تَنْزَجِرُ' وَلِيَ مِنْهَا ابْنَانِ مِثْلُ اللُّؤْلُؤَتَيْنِ' وَكَانَتْ بِيْ رَفِيْقَةً ' فَلَمَّا كَانَ الْبَارِحَةَ جَعَلَتْ تَشْتُمُكَ' وَتَقَعَ فِيْكَ' فَاَخَذْتُ الْمِغْوَلَ فَوَضَعْتُهُ فِيْ بَطْنِهَا' وَاتَّكَاْتُ عَلَيْهَا حَتّٰى قَتَلْتُهَا' فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((اَلَا اَشْهَدُوْا اَنَّ دَمَهَا هَدَرٌ)) (سنن أبی داوٗد' كتاب الحدود' باب الحكم فيمن سب النبی ﷺ' المكتبة العصرية' بيروت' ١٢٩/٤)

''ان صحابی نے عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! وہ لونڈی آپ کو گالی دیتی تھی اور برا بھلا کہتی تھی۔ میں اسے منع کرتا تھا لیکن وہ باز نہ آتی تھی۔ میں اسے ڈانٹتا تھا لیکن وہ اثر قبول نہ کرتی تھی۔ میرے اس لونڈی سے موتیوں جیسے دو بچے بھی ہیں۔ وہ میرے ساتھ اچھی تھی۔ کل رات اس نے پھر آپؐ کو گالیاں دینا اور برا بھلا کہنا شروع کیا تو میں نے خنجر لے کر اس کے پیٹ پر رکھا اور دباؤ ڈالا یہاں تک کہ اسے قتل کر ڈالا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: گواہ رہو کہ اس لونڈی کا خون رائیگاں ہے۔''

علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔ (محمد ناصر الدين ألالبانی' إرواء الغليل فی تخريج أحاديث منار السبيل' المكتب الإسلامی' بيروت' الطبعة الثانية' ١٩٨٥ء' ٩٢/٥)

شاتمِ رسول کو قتل کی سزا دینا یا اس کا مطالبہ کرنا تو دور کی بات' خان صاحب تو اس کے بھی قائل نہیں ہیں کہ ان سے جہاد باللسان کیا جائے۔ خان صاحب کا سارا زور اس مسئلہ میں مسلمانوں کو برداشت کی تلقین کرنے پر ہے اور تماشا یہ ہے کہ برداشت کی اس تلقین میں وہ خود اپنی تحریروں میں عدمِ برداشت کے رویّوں کے حامل نظر آتے ہیں۔

ڈنمارک کے صحافی نے اللہ کے رسول ﷺ کے کارٹون شائع کیے۔ مسلمانوں نے اس پر احتجاج کیا تو خان صاحب نے کہا کہ یہ ایک صحافتی جوک تھا' مسلمانوں کو اس معاملہ میں برداشت کا مظاہرہ کرنا چاہیے اور اس مسئلہ میں ہنگامہ کھڑا کرنا یہ ثابت کر دے گا کہ اسلام آزادئ رائے کے خلاف ہے۔ اب مسلمانوں نے احتجاج کیا تو خان صاحب نے کہا کہ مسلمانوں کا یہ احتجاج نفرت اور تشدد ہے' لغویت اور قومی سرکشی ہے' توہینِ رسالت ہے۔ **فیا للعجب!** کیا برداشت اسی کا نام ہے!

خلاصہ کلام

مولانا وحید الدین خان صاحب بلاشبہ ذہین اور محنتی شخص ہیں' لیکن مولانا مودودی رحمہ اللہ کی مخاصمت وعداوت نے ان کے علمی کیریئر کو تباہ کر دیا ہے۔ ایک لفظ میں خان صاحب کا مسئلہ بیان کیا جائے تو وہ ان کی نفسیاتی الجھنیں ہیں اور ان نفسیاتی پیچیدگیوں کا سبب ان کا مزاج ہے۔ ان کے مزاج کی ضد اور چڑچڑا پن ان کی تحریروں' خاص طور پر ان کی اس خط وکتابت میں بہت واضح نظر آتا ہے جو وقتاً فوقتاً مختلف اہل علم سے ہوتی رہی ہے۔ مزاج کی خامیاں ہر کسی میں ہوتی ہیں اور اگر بڑے لوگوں میں ہوں تو بڑے پیمانے پر فساد کا باعث بنتی ہیں۔

مزاج کی اس خامی کو خان صاحب یا تو پہچان نہیں پائے یا پھر پہچان کر اصلاح نہ کر پائے۔ اس مزاج نے انہیں اپنے فکر اور منہج دونوں میں معتدل نہ رہنے دیا اور صراط مستقیم سے ہٹ کر بدعی منہج پر گامزن ہو گئے۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس مزاج نے ان میں کئی ایک نفسیاتی الجھنوں اور پیچیدگیوں مثلاً ردعمل کی نفسیات میں سوچنا' عجب' احساسِ تفاخر' خود بینی' فریق مخالف سے احساسِ نفرت' عدم برداشت وغیرہ کو جنم دیا اور یہ نفسیاتی عوارض ان کی شخصیت کا اس قدر جزو بن چکے ہیں کہ اب ان کی اصلاح اس عمر میں شاید آسان نہیں ہے۔ یہ سارے عوارض ہم ان کی تحریروں اور عبارتوں سے دکھا سکتے ہیں' لیکن یہ وقت شاید اس کے لیے مناسب نہیں ہے۔ ہم ان شاء اللہ ان پر مرتب کی جانے والی اپنی مستقل کتاب میں ان کی شخصیت کا ایک جائزہ جدید علم نفسیات کی روشنی میں بھی لیں گے۔

ہماری نظر میں ان کی شخصیت مبالغہ آمیز حد تک غیر متوازن اور غیر معتدل ہے اور یہ عدمِ توازن وعدمِ اعتدال ان کی نفسیاتی پیچیدگیوں سے پیدا ہوا ہے۔ نفسیاتی پیچیدگی بعض اوقات

اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ انسان اسے ذہانت کا نام دینے لگتا ہے حالانکہ وہ ایک مرض ہوتا ہے۔ یہ وہ مرحلہ ہوتا ہے جبکہ نفسیاتی عوارض کا حامل شخص اپنے آپ کو مریض سمجھنے پر سوچنے کے لیے بھی آمادہ ہونے کو تیار نہیں ہوتا ہے اور یہ سب سے خطرناک کیفیت ہوتی ہے۔

ہماری نظر میں خان صاحب کی تحریروں میں تذکیر کا پہلو قابلِ تحسین ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ ان سے پہلے دنیا یہ تو جانتی تھی کہ خطاب کے ذریعے تذکیر ہوتی ہے لیکن تذکیر تحریر سے بھی ہو سکتی ہے' یہ خان صاحب نے بتایا ہے۔ اور اگر خان صاحب اپنی زندگی کو صرف تذکیری نوعیت کے کام تک ہی محدود رکھتے تو اس امت پر ان کا یہ بہت بڑا احسان ہوتا' لیکن انہوں نے امت کی فکری رہنمائی کا جو بیڑا اٹھا لیا ہے تو امر واقعہ یہ ہے کہ وہ نہ تو علمی وفکری طور اس کے قابل ہیں اور نہ ہی اخلاقی وشخصی اعتبار سے اس کی اہلیت رکھتے ہیں۔

❁❁❁

کاروباری اور ملازمت پیشہ افراد (مرد حضرات) کے لیے بنیادی دینی علوم سے آگاہی کا موقع

مرکزی انجمن خدام القرآن کے شعبۂ تدریس کے زیر اہتمام

17 ستمبر سے

فہم دین کورس

(موڈیول I اور II) کا آغاز ہو رہا ہے۔ (ان شاء اللہ)

نصاب (موڈیول I)
- عربی گرامر (تیسیر القرآن کے پہلے 20 اسباق)
- تجوید وناظرہ
- مطالعہ حدیث (منتخب نصاب حدیث)
- ایمانیات

نصاب (موڈیول II)
- عربی گرامر (تیسیر القرآن کے آخری دس اسباق)
- ترجمہ قرآن مع عربی گرامر
- تجوید وحفظ
- توسیعی محاضرات (بنیادی اصطلاحات حدیث، قرآن فہمی کے اہم اصول اور مآخذ، دینی موضوعات پر لیکچرز)

دورانیہ: 4 ماہ **اوقات تدریس:** مغرب تا عشاء (سوموار تا جمعرات)

داخلہ کے خواہشمند حضرات قرآن اکیڈمی 36-K، ماڈل ٹاؤن، لاہور کے استقبالیہ سے داخلہ فارم حاصل کریں اور 17 ستمبر تک وہیں جمع کرا دیں۔

نوٹ: موڈیول II میں داخلے کے لیے موڈیول I کا پاس ہونا یا داخلہ ٹیسٹ پاس کرنا لازمی ہے۔

مزید رابطہ: **قرآن اکیڈمی** 36-K، ماڈل ٹاؤن، لاہور۔ فون: 3-35869501-042، irts@tanzeem.org

فیشان دانش 0336-4205587 0333-4430391

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
کے زیر اہتمام

داخلے جاری ہیں

(پارٹ I اور II)

رجوع الی القرآن کورسز

یہ کورسز بنیادی طور پر تعلیم یافتہ افراد کے لیے ترتیب دیے گئے ہیں' تاکہ وہ حضرات جو کم از کم انٹرمیڈیٹ کی سطح تک اپنی دنیاوی تعلیم مکمل کر چکے ہوں اور اب بنیادی دینی تعلیم بالخصوص عربی زبان سیکھ کر فہم قرآن کے حصول کے خواہش مند ہوں' ان کورسز کے ذریعے ان کو ایک ٹھوس بنیاد فراہم کر دی جائے۔ ہفتے میں پانچ دن روزانہ صبح کے اوقات میں تقریباً پانچ گھنٹے تدریس ہوگی۔ ہفتہ وار تعطیل ہفتہ اور اتوار کو ہوگی۔

نصاب (پارٹ I)

1. عربی صرف ونحو
2. ترجمۂ قرآن
3. آیاتِ قرآنی کی صرفی ونحوی تحلیل
4. قرآن حکیم کی فکری وعملی راہنمائی
5. تجوید و ناظرہ
6. مطالعۂ حدیث و فقہ العبادات
7. اصطلاحاتِ حدیث
8. اضافی محاضرات

نصاب (پارٹ II)

1. مکمل ترجمۃ القرآن (مع تفسیری توضیحات)
2. مجموعۂ حدیث
3. فقہ
4. اصولِ تفسیر
5. اصولِ حدیث
6. اصولِ فقہ
7. عقیدہ
8. عربی زبان وادب
9. اضافی محاضرات

- اس سال کلاسز کا آغاز 3 ستمبر سے ہوگا
- داخلہ کے خواہشمند خواتین وحضرات یکم ستمبر کو صبح دس بجے انٹرویو کے لیے قرآن اکیڈمی تشریف لائیں
- پارٹ II میں خواتین کی شرکت کا انتظام نہیں ہے

نوٹ:

پارٹ I میں داخلے کے لیے انٹرمیڈیٹ پاس ہونا اور پارٹ II میں داخلے کے لیے رجوع الی القرآن کورس (پارٹ I) پاس کرنا لازمی ہے

برائے رابطہ: **قرآن اکیڈمی**

K-36 ماڈل ٹاؤن لاہور
فون: 35869501-3
email:irts@tanzeem. org

ندیم سہیل
0322-4371473

- ہمارا دین "دینِ توحید" ہے اور "توحید" کی ضد "شرک" ہے۔
- شرک سب سے بڑا گناہ ہے اور ناقابلِ درگزر ہے۔
- قرآن کی رو سے شرک "ظلمِ عظیم" ہے۔
- شرک ہر دور میں نئی نئی صورتیں اختیار کرتا ہے۔
- مسلمان جہالت اور ناسمجھی کے سبب شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

شرک کی حقیقت اور اس کی اقسام سے واقفیت' اور دورِ حاضر کے شرک سے آگاہی حاصل کرنے کے لیے مطالعہ کیجیے:

حقیقت واَقسامِ شرک

بانیٔ تنظیم اسلامی

محترم **ڈاکٹر اسرار احمد** رحمۃ اللہ علیہ

کے چھ فکر انگیز خطابات

- معیاری کمپیوٹر کمپوزنگ
- عمدہ طباعت
- 128 صفحات

قیمت: اشاعت عام: 60 روپے' اشاعت خاص: 90 روپے

شائع کردہ: **مکتبہ خُدّام القُرآن لاہور**

36۔کے' ماڈل ٹاؤن لاہور۔ فون: 35869501-3

email: maktaba@tanzeem.org Website:www.tanzeem.org